عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ

ختم نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY **KHATM-E-NUBUWWAT** KARACHI PAKISTAN

جلد: ۲۱ | ۲۲ تا ۲۸/ شوال ۱۴۲۳ھ بمطابق ۲۷/ دسمبر ۲۰۰۲ء تا ۲ جنوری ۲۰۰۳ء | شمارہ: ۳۱

روح تصوف و سلوک

فریضۂ دعوت اور اس کا حکیمانہ اسلوب

صدقہ کی فضیلت اور اس کے ثمرات

مرزا قادیانی کی ایک پیش گوئی

کیا حاکم وقت کے لئے چالیس خون معاف ہوتے ہیں؟

س:...... بزرگوں سے سنا ہے کہ جو کسی ملک کا بادشاہ ہوتا ہے اسے خدا کی طرف سے چالیس (۴۰) عدد خون معاف ہوتے ہیں یعنی وہ ۴۰ انسانوں کو بلاوجہ مرواسکتا ہے' اس کی پوچھ اور پکڑ نہ ہوگی' جبکہ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ بادشاہ تو زیادہ ذمہ دار ہوتا ہے' اس سے زیادہ پوچھ اور پکڑ ہوگی کہ تو نے کس کس سے انصاف کیا اور کس کس پر ظلم کیا؟

ج:...... خون اور ظلم تو کسی کو بھی معاف نہیں' نہ شاہ کو' نہ گدا کو' نہ امیر کو' نہ فقیر کو' بلکہ حکام سے بازپرس زیادہ ہوگی' ایسی غلط باتیں جاہلوں نے مشہور کررکھی ہیں۔

نوجوانوں کو قادیانی سے کس طرح بچایا جائے؟

س:...... میرا یہ طریقہ ہے کہ میرا کوئی ساتھی کسی قادیانی کے گھیرے میں آتا ہے تو میں فوراً پہنچ جاتا ہوں اور اس قادیانی سے ایسے مسئلے پوچھتا ہوں جس سے وہ خود پریشان ہوجاتا ہے۔ کیا میرا یہ فعل درست ہے؟

ج:...... مسلمان نوجوانوں کا ایمان بچانے کے لئے آپ جو کچھ کرتے ہیں وہ بالکل صحیح اور کارِ ثواب ہے۔ اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوانوں کو دین سے جوڑا جائے اور بزرگانِ دین کی خدمت میں لایا جائے جس سے ان میں دین کا صحیح فہم پیدا ہو اور فتنوں سے حفاظت ہو۔

کیا ہر طرح سے پریشان آدمی بدنصیب کہلاسکتا ہے؟

س:...... ایک انسان جس کو اپنی قسمت سے ہر موقع پر شکست ہوئی ہو' یعنی کوئی آدمی مفلس و نادار بھی ہو' غربت کی مار بھی پڑی ہو' علم کا شوق تو ہو لیکن علم اس کے نصیب میں نہ ہو' خوشی کم ہو' غم زیادہ ہو' بیماریاں اس کا سایہ بن گئی ہوں' ماں باپ' بہن بھائی کی موجودگی میں محبت سے محروم ہو' رشتے دار بھی اس سے ملنا پسند نہ کرتے ہوں' محنت زیادہ کرے لیکن پھل برائے نام ملے۔ ایسا انسان یہ کہنے پر مجبور ہو کہ: "یا اللہ! جیسا میں بدنصیب ہوں ایسا تو کسی کو نہ بنا"۔ اس کے یہ الفاظ اس کے حق میں کیسے ہیں؟ اگر وہ اپنی تقدیر پر صبر کرتا ہو اور صبر نہ آئے تو اسے کیا کرنا چاہئے؟

ج:...... انسان کو جو ناگوار حالات پیش آتے ہیں ان میں سے زیادہ تر انسان کی شامتِ اعمال کی وجہ سے آتے ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ سے شکایت ظاہر ہے کہ بے جا ہے' آدمی کو اپنے اعمال کی درستی کرنی چاہئے' اور جو امور غیر اختیاری طور پر پیش آتے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی تو ذاتی غرض ہوتی نہیں' بلکہ بندے ہی کی مصلحت ہوتی ہے' ان میں یہ سوچ کر صبر کرنا چاہئے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کو میری ہی کوئی بہتری اور بھلائی منظور ہے۔ اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو بے شمار نعمتیں عطا کر رکھی ہیں ان کو بھی سوچنا چاہئے اور "الحمد للّٰہ علیٰ کل حال" کہنا چاہئے۔

اگر قسمت میں لکھا ملتا ہے تو محنت کی کیا ضرورت ہے؟

س:...... میرا دوست کہتا ہے کہ آدمی کی قسمت اچھی ہو تو بغیر محنت کئے بھی اچھا کمالیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ کمائی اس کے نصیب میں تھی اور اس کی قسمت اچھی تھی۔ میرا کہنا ہے کہ آدمی محنت کرے اور قسمت ساتھ دے تو کام بنتا ہے' بغیر محنت کئے قسمت اچھی نہیں ہوسکتی۔ میرے دوست کا کہنا ہے کہ ایک آدمی پورا دن محنت کرکے جتنے پیسے کماتا ہے اور دوسرا آدمی ایک گھنٹے میں اتنے پیسے کمالیتا ہے۔ برائے مہربانی اس کا جواب عنایت فرمائیں کہ ہم دونوں میں سے کس کا نقطہ نظر ٹھیک ہے؟

ج:...... یہ تو صحیح ہے کہ جو قسمت میں لکھا ہو وہی ملتا ہے' اس سے زیادہ نہیں ملتا لیکن حلال روزی کے لئے محنت ضرور کرنی چاہئے۔ قسمت کا حال کسی کو معلوم نہیں' اور حلال روزی کے لئے شرعی فرائض کی پابندی ضروری ہے۔

نظر لگنے کی کیا حیثیت ہے؟

س:...... ہمارے معاشرے میں یا یوں کہئے کہ ہمارے بڑے بوڑھے "نظر ہونے یا نظر لگنے" کے بہت قائل ہیں' خاص طور سے چھوٹے بچوں کے لئے بہت کہا جاتا ہے' (خصوصاً اگر وہ دودھ نہ پئے یا کچھ طبیعت خراب ہو' وغیرہ) کہ بچے کو نظر لگ گئی ہے' پھر باقاعدہ نظر اتاری جاتی ہے۔ برائے مہربانی اس کی وضاحت فرمائیں کہ اسلامی معاشرہ میں اس کی کیا توجیہ ہے؟

ج:...... نظر لگنا برحق ہے' اور اس کا اتارنا جائز ہے' بشرطیکہ اتارنے کا طریقہ خلاف شریعت نہ ہو۔

http://www.khatme-nubuwwat.org

ہفت روزہ

ختم نبوۃ

سرپرست
حضرت سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم

سرپرست ثانی
حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ

مدیر
مولانا اللہ وسایا

نائب مدیر اعلیٰ
مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر اعلیٰ
مولانا عزیز الرحمن جالندھری

جلد:۲۱ | ۲۲ تا ۲۸ / شوال ۱۴۲۳ھ بمطابق ۲۷ / دسمبر ۲۰۰۲ء تا ۲ جنوری ۲۰۰۳ء | شمارہ:۳۱

بیاد

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ
حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ

مجلس ادارت

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر
مولانا عبدالرحیم اشعر
علامہ احمد میاں حمادی
مولانا نذیر احمد تونسوی
مولانا منظور احمد الحسینی
مولانا سعید احمد جلال پوری
صاحبزادہ طارق محمود
مولانا محمد اسمٰعیل شجاع آبادی

سید اطہر عظیم
سرکولیشن منیجر: محمد انور رانا
ناظم مالیات: جمال عبدالناصر شاہد
قانونی مشیران: حشمت حبیب ایڈووکیٹ، منظور احمد میؤ ایڈووکیٹ
ٹائٹل ڈیزائن: محمد ارشد خرم، محمد فیصل عرفان

اس شمارے میں

اداریہ	۴
روح تصوف وسلوک (حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب)	۶
فریضۂ دعوت اور اس کا حکیمانہ اسلوب (مولانا سید محمد الحسنی)	۱۴
والدین کے حقوق (مولانا محمد منظور نعمانی)	۱۷
صدقہ کی فضیلت اور اس کے ثمرات (پروفیسر عفت گل اعزاز)	۲۰
بکرو شیب: مرزا قادیانی کی ایک پیشگوئی (مولانا لال حسین اخترؒ)	۲۲

زر تعاون اندرون ملک
فی شمارہ: ۷ روپے
ششماہی: ۱۷۵ روپے سالانہ: ۳۵۰ روپے
چیک، ڈرافٹ بنام ہفت روزہ ختم نبوت
اکاؤنٹ نمبر 8-363 اور اکاؤنٹ نمبر 2-927
الائیڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ کراچی پاکستان ارسال کریں

زر تعاون بیرون ملک
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا: ۹۰ ڈالر
یورپ، افریقہ: ۷۰ ڈالر
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطیٰ، ایشیائی ممالک: ۶۰ امریکی ڈالر

لندن آفس:
35, Stockwell Green,
London, SW9 9HZ U.K.
Ph: 0207-737-8199

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۵۱۴۱۲۲_۵۸۳۴۸۶ فیکس: ۵۴۲۲۷۷
Hazoori Bagh Road, Multan.
Ph: 583486-514122 Fax: 542277

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی۔ فون: ۷۷۸۰۳۳۷ فیکس: ۷۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A. Jinnah Road, Karachi
Ph: 7780337 Fax:7780340

ناشر: عزیز الرحمن جالندھری طابع: سید شاہد حسن مطبع: القادر پرنٹنگ پریس مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

ختم نبوة

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن سرفروشان اسلام پر پابندی عائد کی جائے

پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ اسلام کے خلاف جو چاہے بکے اور جس عقیدہ کا چاہے اظہار کرے۔ دنیا میں شاید یہ واحد مسلم ملک ہے جہاں اسلام کے خلاف بولنے والوں کو اگر روکنے کی کوشش کی جاتی ہے تو انتظامیہ سے لے کر عوام الناس تک اس راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی ذریت ہو یا یوسف کذاب' گوہر شاہی ہو یا ڈاکٹر عثمانی' عتیق الرحمٰن گیلانی ہو یا محمد شیخ' جس کی مرضی جو چاہے بک دے' وہ ان کا من گھڑت دین بن جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی زرخیز زمین ہے' جہاں ہر فتنے کی نہ صرف کاشت ہوتی ہے بلکہ آبیاری بھی ہوتی ہے۔ ریاض احمد گوہر شاہی ملعون کو جہنم واصل ہوئے گو کچھ عرصہ گزر چکا ہے لیکن اس کی ذریت اب تک اپنے خبیث عقائد و افعال سے کنارہ کش نہیں ہوئی۔ گزشتہ دنوں گوہر شاہی کے ایک مرید نے قرآن پاک کو نذر آتش کر دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل درج ذیل خبر میں ملاحظہ فرمائیے:

''پاک کالونی: گوہر شاہی کے مرید کے ہاتھوں قرآن پاک نذر آتش

سانحہ کی اطلاع پر مشتعل لوگوں نے ملزم کی پٹائی کی جس پر وہ فرار ہو گیا

پاک کالونی پولیس نے فوری کارروائی کر کے ملزم کو گرفتار کر کے مقدمہ درج کر لیا

کراچی (کرائم رپورٹر) پاک کالونی تھانے کی حدود زبیر کالونی میں انجمن سرفروشان اسلام کے کارکن اور گوہر شاہی کے مرید نے قرآن پاک کو شہید کر دیا۔ پولیس نے ملزم کو گرفتار کر کے مقدمہ درج کر لیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق پاک کالونی تھانے کی حدود میں مکان نمبر ای-۱۳۵ کالونی کے رہائشی مشتاق احمد ولد مقبول الرحمٰن گزشتہ روز رات ۸ بجے کے قریب اپنے گھر سے قرآن پاک لے کر قریب واقع فٹ بال گراؤنڈ پہنچ گیا اور قرآن پاک کو کچرا کنڈی گٹر باغیچہ میں پھینک کر اسے آگ لگا کر شہید کر ڈالا۔ اس واقعے کی اطلاع پر جائے وقوعہ پر لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا اور انہوں نے ملزم کو کافی مارا پیٹا' اسی دوران ملزم موقع پا کر فرار ہو گیا۔ پاک کالونی تھانے میں جیسے ہی اس واقعے کی خبر پہنچی' تھانہ انچارج انسپکٹر اکرم خان محمود فی الفور کارروائی کرتے ہوئے جائے وقوعہ پر روانہ ہو گئے' ملزم کے والد مقبول الرحمٰن ولد غلام حسین اور سگے بھائی شمشاد ولد مقبول الرحمٰن کے بھرپور تعاون سے آخرکار چند گھنٹوں کے اندر اندر قرآن پاک کی بے حرمتی کے مرتکب ملزم مشتاق احمد کو گرفتار کر لیا گیا جبکہ تھانہ پاک کالونی میں ملزم کے خلاف بجرم دفعہ ۲۹۵-بی تعزیرات پاکستان کے تحت ایف آئی آر نمبر ۲۴۰/۲۰۰۲ درج کر لی گئی۔ مقدمے کے مدعی اے ایس آئی لال اختر خان اور شعبہ ہومی سائڈ کے تفتیشی افسر سب انسپکٹر الیاس شاہ کی کوشش سے ملزم کی نشاندہی پر پولیس نے قرآن پاک کے آدھا جلے اور جلنے سے محفوظ رہنے والا معمولی حصہ جس پر قرآن پاک کی آیت ''ذالک الکتاب لاریب فیه'' درج ہے' سرکاری تحویل میں لے لیا ہے جبکہ ملزم کے سگے والد اور سگے بھائی نے ملزم کے خلاف عدالت میں گواہی دینے کے لئے پولیس کو بھرپور تعاون کا یقین دلایا ہے۔'' (روزنامہ ''اسلام'' ۱۹/ دسمبر ۲۰۰۲ء)

جب اخباری رپورٹر نے اس فعل کے مرتکب ملعون سے اس بارے میں استفسار کیا تو اس نے جو جوابات دیئے وہ درج ذیل خبر میں ذکر کئے گئے ہیں:

''گوہر شاہی کا سچا پیروکار ہوں' اپنے کئے پر کوئی شرمندگی نہیں' مشتاق احمد

مجھ سے قدرت نے یہ کام عوام کو شریعت کی بجائے طریقت سے روشناس کرانے کے لئے کرایا

میرے دل میں طریقت والا قرآن موجود ہے‘ گوہر شاہی زندہ ہیں‘ اپنے مریدوں کو احکام دیتے ہیں‘ نمائندہ ’’اسلام‘‘ سے گفتگو

کراچی (رپورٹ: محمد اختر جیلانی) پاک کالونی پولیس کی زیر حراست قرآن پاک کی بے حرمتی کے مبینہ ملزم مشتاق احمد ولد مقبول الرحمن نے کہا ہے کہ میں انجمن سرفروشان اسلام کا کارکن اور گوہر شاہی کا سچا‘ حقیقی پیروکار ہوں اور مجھے اپنے فعل پر کسی قسم کی شرمندگی نہیں ہے اور مجھ سے قدرت نے خود یہ کام کرایا ہے تاکہ عوام الناس کو شریعت کی بجائے طریقت سے روشناس کرایا جاسکے۔ پاک کالونی تھانے میں نمائندہ اسلام سے بات چیت کرتے ہوئے ملزم نے بتایا کہ میں ۲۰‘۲۵ سال سے گوہر شاہی کا سچا عقیدت مند ہوں اور مجھے ظاہری قرآن کی ضرورت نہیں ہے‘ میرے دل میں طریقت والا قرآن موجود ہے‘ میں جب ورد کرتا ہوں تو میرا قلب جاری ہوجاتا ہے اور میری روح خلا میں چلی جاتی ہے‘ ایسے میں زرد رنگ کی روشنی ہوتی ہے اور نس نس میں نور سما جاتا ہے‘ میں نے اپنے اندر ذات کا مشاہدہ کیا ہے اور براہ راست اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ قرآن پاک کی بے حرمتی کے مرتکب ملزم مشتاق احمد کا کہنا ہے کہ گوہر شاہی مرے نہیں ہیں بلکہ انہوں نے دنیا سے ظاہری پردہ فرمایا ہے اور کوٹری میں مرشد کی جو قبر ہے وہ دکھاوے کی ہے۔ ہمارے مرشد گوہر شاہی اب بھی اپنے مریدین سے روحانی رابطے میں ہیں اور ہمیں احکام جاری کرتے ہیں۔ ملزم نے بتایا ہے کہ ہماری تنظیم انجمن سرفروشان اسلام کا کراچی میں سول ہسپتال والی گلی میں آستانہ موجود ہے جہاں گوہر شاہی کے مریدین کو تعلیم دی جاتی ہے۔‘‘ (روزنامہ ’’اسلام‘‘ ۱۹/ دسمبر ۲۰۰۲ء)

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہٗ نے گوہر شاہی اور اس کی جماعت کے بارے میں اپنے ایک فتویٰ میں تحریر فرمایا تھا کہ: ’’میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شخص (یعنی گوہر شاہی) دین اور شریعت کا قائل نہیں‘ نہ اس کو نماز‘ روزے کا اہتمام ہے اور نہ شریعت کے محرمات سے پرہیز ہے‘ اس لئے اس کی حیثیت مرزا غلام احمد قادیانی جیسی ہے اور اس کے ماننے والے گمراہ ہیں۔‘‘ نیز اپنے ایک اور فتویٰ میں حضرت شہیدؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: ’’یہ شخص (یعنی گوہر شاہی) مسلمان نہیں بلکہ کافر و زندیق اور مرتد ہے۔ یہ شخص اور اس کی جماعت اور اس کے ماننے والوں کے بارے میں قرآن و سنت اور اکابر امت کی تصریحات یہ ہیں کہ ایسا شخص ہرگز ہرگز مسلمان نہیں ہوسکتا۔ ریاض احمد گوہر شاہی اور اس کی جماعت کے لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنا اور رشتہ ناتہ کرنا جائز نہیں۔ ان لوگوں کا ذبیحہ مردار ہے۔‘‘ ان فتاویٰ کی روشنی میں ہم حکومت سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ گوہر شاہی کے پیروکاروں کو قادیانیوں کی طرح آئینی اور قانونی طور پر کافر و مرتد قرار دیا جائے‘ اس کی جماعت ’’انجمن سرفروشان اسلام‘‘ پر پابندی عائد کی جائے اور اس کے پیروکاروں کے خلاف مناسب قانون سازی کی جائے۔ نیز قرآن کریم کی بے حرمتی کے ارتکاب کے جرم میں گوہر شاہی کے پیروکار مشتاق احمد کو قرار واقعی سزا دی جائے تاکہ آئندہ کسی کو ایسے گھناؤنے جرم کے ارتکاب کی جرأت نہ ہو۔

ضروری اعلان

ہفت روزہ ’’ختم نبوت‘‘ کے اندرون و بیرون ملک کے تمام قارئین کرام کے نام بقایاجات کی ادائیگی کے سلسلے میں یاددہانی کے خطوط ارسال کردیئے گئے ہیں۔ احباب سے درخواست کی جاتی ہے کہ جن حضرات کے نام بقایاجات واجب الادا ہیں وہ فوراً اپنی رقم بنام ہفت روزہ ’’ختم نبوت‘‘ کراچی منی آرڈر‘ چیک یا ڈرافٹ کی شکل میں ارسال فرماکر ممنون فرمائیں۔

یاد رہے کہ جلد نمبر ۲۰ شمارہ نمبر ۹ سے بوجہ ہوشربا گرانی‘ کاغذ و ڈاک خرچ رسالہ کی قیمت میں اضافہ کردیا گیا ہے۔

نیا سالانہ زرتعاون : ۳۵۰ روپے ہے‘ آئندہ اس حساب سے رقم ارسال فرمائیں۔

نوٹ : اپنے خریداری نمبر کی وضاحت بھی ضرور فرمائیں۔ شکریہ (ادارہ)

روحِ تصوف و سلوک

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

جس طرح نسبت کی تحصیل ضروری ہے اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے اور بتائے ہوئے اخلاق کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور میں تو اس چیز کو بہت دنوں سے سمجھ چکا ہوں بلکہ کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہوں کہ اس زمانہ میں دین اور دنیا دونوں کی فلاح حاصل کرنے کے لئے بجز پیروی اسوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کوئی صورت نہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی پر چل کر اور اسے اختیار کر کے آج ہمیں دنیا کی بھی فلاح مل سکتی ہے ورنہ اہل دنیا پر فلاح کا دروازہ بند اور عافیت تنگ ہو گئی ہے اور ہوتی جائے گی۔ چنانچہ آج لوگ جو فساد منزل کے فتنوں سے مفتون ہیں اور یہ دیکھ رہے ہیں کہ جس قدر عوام پریشان ہیں خواص بھی اسی طرح سے پریشان ہیں اور اسباب راحت کے موجود ہوتے ہوئے بھی سکون معدوم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خدائی عذاب ہے جو مخلوق پر ان کی بداعمالیوں کی پاداش میں مسلط کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب ''القول الجمیل'' میں فرماتے ہیں:

''جاننا چاہئے کہ سکینہ پر مداومت کرنے والے کے لئے حالات رفیعہ ہوتے ہیں جو نوبت بہ نوبت اس کو ملتے ہیں، لہٰذا سالک کو چاہئے کہ اپنے ان حالات رفیعہ کو غنیمت جانے اور یہ سمجھے کہ یہ حالات اس کی طاعات کے عنداللہ مقبول ہونے اور ان کے باطن نفس میں اثر کرنے کی علامات ہیں۔'' (شفاء العلیل ص ۹۵ ترجمہ)

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ ''سکینہ'' کسے کہتے ہیں؟ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نہ سکینہ کو جانتے ہیں اور نہ صاحب سکینہ کو پہچانتے ہیں اور نہ ہی احوال رفیعہ سے واقف ہیں، اور یہ اس لئے کہ آج اس طریق کو لوگوں نے بدنی سمجھ رکھا ہے، یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کے پاس جاؤ تو بس اس کے بدن پر گرو (یعنی اس کے بھروسہ بیٹھ رہو کہ بس اس بزرگ کی صحبت کافی ہے، یہ بزرگ خود ہمیں جنت میں لے جائیں گے) اسی سے کامیاب ہو جاؤ گے۔ باقی اس میں کسی چیز کے جاننے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں اس بات کو اکثر کہا کرتا ہوں، اس لئے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں نے طریق (یعنی طریقت) کے علم و عمل کو بالائے طاق رکھ دیا ہے، اور لطف یہ کہ پیری و مریدی بھی باقی ہے، یہ بھی عجیب بات ہے کیونکہ مرید تو اسے کہتے ہیں جو اپنی رائے اور ارادہ کو فنا کر کے کسی کامل و مکمل شیخ سے اس لئے تعلق قائم کرے کہ وہ اس کو اس کی رعونت نفس (انانیت) سے نکال کر اللہ تعالیٰ کا عارف بنا دے، اور شیخ کے متعلق شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کا حال لکھتے ہیں کہ:

''زمانہ لمبے چوڑے جھوٹے دعوؤں سے بھرا ہوا ہے، نہ کوئی مرید ہی صادق اور سلوک میں ثابت قدم نظر آتا ہے اور نہ کوئی شیخ ہی محقق نظر پڑتا ہے جو کہ مرید کی خیر خواہی کرے اور اس کو نفس کی رعونت اور خود رائی سے نکالے اور طریق حق اس کے سامنے ظاہر کرے (چنانچہ جب کوئی شیخ کامل نہیں رہ جاتا تو پھر) مرید ہی شیخوخت اور بڑائی کا مدعی ہو جاتا ہے، اور یہ سب خبط و تلبیس ہے۔'' (آداب الشیخ والمرید ص ۸ ترجمہ)

لہٰذا شیخ محقق جب اُس زمانہ میں نایاب تھا تو اب ظاہر ہے کہ موجودہ زمانہ میں، جو کہ پہلے زمانہ سے یقیناً اچھا نہیں ہے، شیخ کامل کے وجود کا کیا حال ہوگا؟ پھر جب شیخ ہی کا وجود نہیں ہوگا تو مرید کہاں سے آ جائیں گے؟ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں پیر بہت ہیں اور مرید کا پتہ نہیں، یا یوں کہہ لیجئے کہ مرید بہت ہیں اور پیر کا پتہ نہیں، یہ کس قدر عجیب بات ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ طریق سے جہالت اور دین سے عدم مناسبت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اس کی بھی خبر نہیں کہ طریق میں مقصود کیا ہے؟ اور کون کون سی چیزیں غیر مقصود ہیں؟ اس نہ جاننے کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے مقصود کو تو چھوڑ دیا اور غیر مقصود کو مقصود بنا لیا، اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شیخ اور پیر، جو کہ وسیلہ اور ذریعہ تھا، اس کو مقصود سمجھ لیا گیا، اور اس کے بدنی قرب کو کافی سمجھا گیا، اور اللہ تعالیٰ سے صحیح نسبت، اور شیخ جس نور اور دولت کا حامل ہوتا ہے اس کی جانب اصلاً توجہ نہیں رہی۔

ختم نبوۃ

طریق کا مقصد اور اس کا منتہا کیا ہے؟ نیز یہ کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے مذکورہ بالا کتاب میں نہایت عمدہ کلام فرمایا ہے' اس سے آپ کو سکینت کی تعریف بھی معلوم ہو جائے گی' جس کا ذکر میں نے ابتدا میں کیا ہے' اس لئے پہلے حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت نقل کرتا ہوں' اس کے بعد اس کی مزید توضیح کروں گا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

"تمام مشائخ کے طریقوں کا مرجع یعنی مقصود و منتہیٰ اور حاصل ایک ہیئت نفسانی کی تحصیل ہے جس کو صوفیا نسبت کہتے ہیں' (یہاں نفسانی سے مراد شہوانی نہیں ہے جو کہ روحانی کے مقابلہ میں ہوتا ہے بلکہ نفس سے مراد یہاں نفس ناطقہ انسانی ہے' پس ہیئت نفسانی کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کے نفس میں حاصل شدہ ایک کیفیت اور حالت) اس لئے کہ اس کے ذریعے بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت اور ارتباط حاصل ہوتا ہے' اسی نسبت کا ایک نام سکینہ ہے' اور اسی کو نور بھی کہا جاتا ہے' اور نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک کیفیت کا نام ہے جو نفس ناطقہ میں حلول کر جاتی ہے جس کے سبب سے نفس کے اندر ایک ملکی شان پیدا ہو جاتی ہے اور عالم بالا سے باتیں اخذ کرنے کا ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔"

تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان جب طاعات' طہارت' اوراد' اذکار وغیرہ پر مداومت کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے نفس میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کو ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنے کا ایک ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے' اسی ملکہ کا نام نسبت' سکینہ اور نور ہے' اور حصول نسبت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ تام ہو گئی ہے اور اس کو حق تعالیٰ سے تعلق ہو گیا ہے' ورنہ حق تعالیٰ کو تو بندہ سے نسبت ہوتی ہی ہے' جیسا کہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ:

اتصالے بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با جان ناس

یعنی حق تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ ایک ایسا اتصال (یعنی نسبت) حاصل ہے جس کی نہ تو کیفیت کا بیان ہو سکتا ہے اور نہ کسی چیز پر اس کو قیاس کیا جا سکتا ہے' لیکن اس نسبت کے حصول کے طریقے الگ الگ ہیں' اور نسبت بطور قدر مشترک کے ہر طرق (یعنی تصوف کے چاروں سلسلوں) میں پائی جاتی ہے اور وہ ایک ہی ہے جیسا کہ شفاء العلیل میں ہے کہ:

"حضور مع اللہ رنگ برنگ ہے' جس کسی کو جس قدر تعلق و محبت اور کسر نفس کی توفیق ہو گی' اسی قدر اس میں ملکہ قویہ حاصل ہو گا' اور نسبتیں بے شمار ہیں' چنانچہ اشغال قادریہ' چشتیہ اور نقشبندیہ وغیرہ سے غرض اسی نسبت کی تحصیل ہے' اور اس پر دوام و مواظبت اور اس کے اندر استغراق ہے تاکہ نفس میں اس مواظبت اور توجہ دائمی سے ملکہ راسخہ پیدا ہو جائے (تاکہ اس کے بعد پھر غفلت اور ذھول کی گنجائش باقی نہ رہے اور ملکہ کی وجہ سے احکام شرعیہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے اور ملکات سیئہ کا اثر نہیں ہونے پاتا)۔"

آگے شاہ صاحبؒ بطور دفع دخل کے یہ فرماتے ہیں کہ سلاسل اربعہ میں اشغال صوفیہ سے مقصود نسبت کی تحصیل ضرور ہے لیکن حصول نسبت ان پر منحصر نہیں ہے' چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

"یہ گمان نہ کرنا کہ نسبت مذکورہ کی تحصیل کا ذریعہ محض یہی اشغال صوفیہ ہیں' ایسا نہیں ہے بلکہ یہ اشغال بھی تحصیل نسبت کا ایک طریقہ ہیں جس طرح سے اس کے اور بھی طریقے ہیں' چنانچہ ظن غالب اس فقیر کا یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اس نسبت اور سکینہ کو دوسرے طریقوں سے حاصل کیا کرتے تھے' مثلاً ایک طریق اس کا یہ تھا کہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور خلوت میں تسبیحات کا اہتمام و التزام فرماتے تھے' اور ان تمام امور میں خشوع و خضوع اور حضور قلب کا خاص خیال رکھتے تھے' نیز ایک طریقہ تحصیل نسبت کا یہ بھی تھا کہ (ظاہری و باطنی) طہارات پر مداومت رکھتے تھے' اسی طرح لذتوں کو توڑ دینے والی چیز یعنی موت کا ہمیشہ استحضار رکھتے تھے' نیز اللہ تعالیٰ نے مطیعین کے لئے جو اجر و ثواب اور انعام و اکرام تیار کر رکھا ہے اور نافرمانوں کے لئے جو عذاب و شدائد مہیا کر رکھے ہیں ان سب کو برابر پیش نظر رکھتے تھے جس کی وجہ سے لذات حسیہ سے وہ بالکلیہ چھوٹ جاتے تھے' اور ان سب چیزوں نے ان کے قلب سے عیش دنیا کا قلع قمع کر دیا تھا' اسی طرح سے ایک طریقہ حصول نسبت کا پابندی کے ساتھ کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کے معنی میں غور کرنا اور

ختم نبوت

واعظ و ناصح کی بات پر کان دھرنا اور صمیم قلب سے اس کا سننا تھا' اسی طرح سے حدیث شریف کے وہ مضامین جن سے قلوب میں نرمی پیدا ہو ان کا سننا بھی تھا۔"
(القول الجمیل ترجمہ)

دیکھئے شاہ صاحبؒ نے طریق تحصیل نسبت کی یہاں کیسی وضاحت فرمادی یعنی یہ کہ حضرات صحابہ کرامؓ نسبت کی تحصیل ان ہی تمام چیزوں سے فرماتے تھے ورنہ عام طور پر یہ غلط فہمی ہو رہی تھی کہ حصول نسبت کا ذریعہ صرف مشائخ کے اذکار و مراقبات ہی ہیں' حالانکہ وہ بھی ایک طریق ہے اس پر انحصار نہیں ہے۔

اس سے قبل شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ:

"اشغال صوفیہ سے غرض اسی نسبت کی تحصیل اور اس پر دوام اور مواظبت اور اس میں مستغرق رہنا ہے تا آنکہ نفس اسی مواظبت اور مداومت سے ملکہ راسخہ کسب کرلے۔"

اور اس کے بعد آگے چل کر فرماتے ہیں (جہاں) ان امور کا ذکر کیا ہے جن کے ذریعے حضرات صحابہؓ و تابعینؒ تحصیل نسبت فرماتے تھے کہ:

"حاصل کلام یہ کہ حضرات صحابہؓ و تابعینؒ اشیائے مذکورہ یعنی (اعمال شرعیہ) پر ایک کثیر مدت تک مواظبت و دوام فرماتے تھے جس کی وجہ سے ان کے اندر تقرب الی اللہ کا ایک ملکہ راسخہ اور ہیئت نفسانیہ حاصل ہوجاتی تھی' اسی پر یہ حضرات بقیہ عمر محافظت فرماتے تھے' جس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ کیفاً وہ نسبت اور بڑھتی جاتی تھی۔ یہی وہ نسبت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے مشائخ کے واسطے سے متوارث چلی آرہی ہے جس میں ذرا بھی شک نہیں اگرچہ الوان اس کے مختلف اور تحصیل کے طریقے رنگ برنگ ہیں۔"

اس میں تصریح ہے کہ سلف ملکہ راسخہ حاصل کرتے تھے اور بقیہ عمر اس پر مداومت کرتے تھے' فقط نماز' روزہ پر بدون اس ملکہ کی تحصیل کے قناعت کئے ہوئے نہ تھے' جیسا کہ اب ہے' بلکہ جب تک یہ ملکہ ان کو حاصل نہ ہوجاتا اس کی طلب میں گرما گرمی رہتی تھی' اور جب یہ حاصل ہوجاتا تھا تو یہ نہیں کہ ان کو سکون ہوجائے اور وہ غافل اور سست پڑ جائیں' ایسا نہیں تھا بلکہ اپنے امور باطنی میں اور زیادہ مستعد اور چاق و چوبند ہوجاتے تھے:

کتب عشق کا دیکھا یہ نرالہ دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد رہے

حضرت شاہ صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ تحصیل ملکہ راسخہ متوارث اور منقول چلا آرہا ہے' جس طرح کہ نماز' روزہ بلکہ کل دین منقول چلا آرہا ہے' اور فرمارہے ہیں کہ: لا شک فی ذلک' پس یہ قطعی اور اجماعی مسئلہ ہوا ہر قرن کا۔

اسی سلسلہ میں کہتا ہوں کہ جس طرح سے یہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چلی آرہی ہے' اسی طرح سے اخلاق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث چلے آرہے ہیں' یعنی آپ ﷺ کے اخلاق سے صحابہؓ متخلق ہوئے اور پھر ان سے تابعینؒ اور پھر ان سے تبع تابعینؒ اسی طرح مسلسل۔

لہذا جس طرح نسبت کی تحصیل ضروری ہے' اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے اور بتائے ہوئے اخلاق کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے' اور میں تو اس چیز کو بہت دنوں سے سمجھ چکا ہوں بلکہ کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہوں کہ اس زمانہ میں دین اور دنیا دونوں کی فلاح حاصل کرنے کے لئے بجز پیروی اسوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کوئی صورت نہیں' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی پر چل کر اور اسے اختیار کر کے آج ہمیں دنیا کی بھی فلاح مل سکتی ہے' ورنہ اہل دنیا پر فلاح کا دروازہ بند اور عافیت تنگ ہوگئی ہے' اور ہوتی جائے گی۔ چنانچہ آج لوگ جو فساد منزل کے فتنوں سے مفتون ہیں اور یہ دیکھ رہے ہیں کہ جس قدر عوام پریشان ہیں' خواص بھی اسی طرح سے پریشان ہیں اور اسباب راحت کے موجود ہوتے ہوئے بھی سکون معدوم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خدائی عذاب ہے جو مخلوق پر ان کی بداعمالیوں کی پاداش میں مسلط کیا گیا ہے۔ لہذا اس عذاب سے اور ان فتنوں سے خلاصی کی صورت اور تدبیر اور حضرات کے نزدیک جو ہو اس کو وہ جانیں مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ سارا فساد اور نظام عالم کی جملہ خرابیوں کی اصل یہ ہے کہ فلاح عالم کے خدائی اصول اور صلاح عالم کے نبوی طریق کا رشتہ ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ گیا ہے' اور وہ رشتہ یہی تھا کہ علاوہ دین کے دنیوی امور میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کیا جاتا (چنانچہ اس کے مخاطب وہی حضرات ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات میں آپ کی تصدیق کرتے ہیں) یہ نقلاً تو ثابت تھا ہی کیونکہ یہ بھی ان امور میں سے ہے جو متوارث چلے آرہے ہیں۔ علاوہ ازیں عقلاً بھی ہم آج اپنے حالات میں اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

نہایت افسوس ہے کہ جو چیز اس درجہ ضروری تھی

www.amtkn.com www.facebook.com/amtkn313 www.emaktaba.info

ختم نبوۃ

وہ متروک ہی نہیں بلکہ اس کا انکار ہو رہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نماز روزہ باقی ہے اور یہ چیز باقی نہیں۔ خون کے آنسو اس پر بہائے جائیں تو کم ہے۔ کیا صرف ظاہری نماز روزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے چلا آ رہا ہے؟ کیا ان میں باطنی برکات نہیں تھے؟ چونکہ علماً نے ان ظاہری احکامات کی باطنی برکات کی تحصیل کو ضروری نہیں سمجھا اس لئے ان باطنی برکات کا علم اور عمل ختم ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہاں ایک بات یہ سمجھ لیجئے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حسب مراتب سب کے سب اسی نسبت کے حامل تھے' اور ان کا باہمی تفاضل اور ان کے درجات کا تفاوت اسی نسبت کے تفاوت سے تھا' جسے جس قدر زیادہ اور قوی نسبت حاصل ہوتی تھی اسی قدر وہ افضل اور بلند مرتبہ سمجھا جاتا تھا چنانچہ یہ نماز' روزہ ان کا عمل ظاہر تھا اور یہ نسبت ان کا باطن تھا' اور یہ حضرات اس ظاہر و باطن دونوں ہی کے جامع تھے' اب صرف ظاہر دین تو کچھ ہے بھی مگر باطن اور روح ختم ہو چکی ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ اس نسبت کے الوان اور طرق مختلف ہوتے ہیں تو اس کے متعلق یہ سمجھئے کہ سلف میں اس نسبت کی تحصیل کا طریق احکام شرعیہ کی پابندی تھی' اور خلف میں اشغال وغیرہ اس کے لئے مقرر ہوئے مگر احکام شرعیہ ہر حال میں مقدم رہے۔

یعنی حضرات صحابہ کرامؓ تو اس نسبت کو مواظبت علی الصلوٰۃ وتسبیحات و مواظبت علی الطہارۃ مراقبہ موت اور ثواب مطیعین اور عذاب عاصیین کے استحضار وغیرہ سے حاصل کرتے تھے' اور بعد کے مشائخ نے لوگوں کی استعداد کو ضعیف پایا اور یہ دیکھا کہ محض ان امور کے کرنے سے اب یہ نسبت حاصل نہیں ہو رہی ہے تو انہوں نے اشغال و مراقبات کا اضافہ کر دیا' اور ان کے ذریعہ نسبت پیدا کرنی چاہی' یہ تو طرق کا اختلاف ہوا اور الوان کا اختلاف یہ تھا کہ مثلاً کسی نسبت میں محبت وشوق کا غلبہ ہوا اور کسی میں خوف کا' کسی میں فنا کا غلبہ رہا اور کسی میں بقا کا' تو بظاہر نسبت کے یہ سب الوان مختلف معلوم ہوتے تھے لیکن ان سب نے ہر سالک کے اندر وہی حالت پیدا کر دی جس کا نام نسبت تھا۔ چنانچہ جس میں محبت اور شوق کا غلبہ ہوا اس نے بھی معصیت ترک کی اور اپنے تمام امور میں حق تعالیٰ کی رضا پیش نظر رکھی' اور جس کے اندر خوف کا غلبہ ہوا اس نے بھی معاصی سے نفرت اور طاعت سے رغبت کی' یہی حال اور دوسرے الوان کا بھی ہوا۔ پس اس اختلاف کے باوجود مرجع سب کا واحد ہی رہا' یعنی ارتباط باللہ تعالیٰ' جس کی تحصیل سب پر لازم تھی' اور ہر شخص پر ضروری تھی' ان اشغال کے ذریعے نسبت کی تحصیل اور اس پر مواظبت اور اس میں استغراق اس درجہ کہ نفس ملکہ راسخہ کا کسب کر لے اس لئے ضروری ٹھہرا کہ جب نفس کو ملکہ راسخہ حاصل ہو جائے گا تو پھر غفلت اور ذہول کی گنجائش باقی نہ رہ جائے گی اور اسی میں اس کی خیریت بھی ہے کیونکہ اگر ان اشغال کے ذریعے ملکہ حسنہ طیبہ کا کسب نہ کیا گیا جس سے کہ طاعت میں سہولت اور معصیت سے نفرت ہو جائے' تو اشغال دنیویہ میں انہماک کے سبب سے نفس ملکہ خبیثہ سیئہ کسب کرے گا جس سے نجات ملنی دشوار ہو جائے گی حتیٰ کہ یہ ظاہری طاعات بھی کرتا رہے گا اور دوسری جانب اس کے نفس میں یہ ملکہ خبیثہ بھی موجود رہے گا جس سے خلاصی آخرت ہی میں ہو سکے گی۔

مذکورہ بالا تفصیل سے نسبت کی توضیح اور اس کی ضرورت آپ کو معلوم ہو گئی' نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسی نسبت کا دوسرا نام سکینہ بھی ہے' یہ مشائخ کی اصطلاح ہے۔ باقی علماً ظاہر بھی جو معنی نسبت سکینہ کے بیان کرتے ہیں وہ اسی کے قریب ہے۔ چنانچہ صاحب روح ''المعانی'' فانزل اللہ سکینتہ'' کے تحت لکھتے ہیں کہ: ''وھی الطمانینۃ التی یسکن عندھا القلوب'' یعنی سکینہ اس اطمینان کا نام ہے جسے پا کر قلوب تسکین حاصل کریں' اور پھر کچھ آگے باب الاشارہ میں لکھتے ہیں:

''حق تعالیٰ کا ارشاد ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین میں سکینہ جو آیا ہے اس کے متعلق بعض عارفین یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکینہ آپ کا مشاہدہ ذات تھا اور مومنین کا سکینہ صفات کا معائنہ تھا' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں حق تعالیٰ کی ذات کے مشاہدہ سے متلذذ تھے اور مومنین اللہ تعالیٰ کی صفات کا مراقبہ کر کے مطمئن تھے۔

مشائخ کے لئے سکینہ کی تعریف کے بیان میں مختلف تعبیرات ہیں۔ عنوانات مختلف ہیں لیکن معنی اور معنون قریب قریب سب کا ایک ہی ہے۔ چنانچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ سکینہ اس قوت قلبیہ کا نام ہے جس میں اطمینان کی آمیزش ہو حق تعالیٰ کے حکم سننے کے وقت اور اس کی وجہ سے انسان کے بشری تقاضے بالکلیہ سوختم ہو جائیں اور پردۂ غیب سے جو چیز بھی ظاہر ہو بغیر کسی معارضہ کے اور بدون اپنا اختیار چلائے

ہوئے انسان اس پر راضی ہو۔

اور ایک قول یہ ہے کہ سکینہ اسے کہتے ہیں کہ انسان اپنے پورے ہوش و ہواس کے ساتھ حق تعالیٰ کے مشاہدے کی بساط پر فائز ہو اور خالص عبودیت کی اقامت کے ادب سے متادب ہو' اس طرح پر کہ اس کو ان کی ادائیگی میں نہ تو کچھ تعب ہو اور نہ کسی حکم سے معارضہ کی رگ پھڑکے' اور ایک قول یہ ہے کہ سکینہ اسے کہتے ہیں کہ انسان اپنے حظوظ کو فنا کر کے بقا باللہ حاصل کرلے۔''

(روح المعانی ص۹۴ ج۱۰ از ترجمہ)

اور جس طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کے سلوک کا طریقہ اور تحصیل نسبت کے طرق اور ان کی تفصیل بیان فرمائی ہے اسی طرح سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی نسبت احسان کے معنی بیان کئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''ہستی مطلق کو ہر دم خیال میں پرورش کرنا اور بلا کیف حاضر و موجود جان کر حیا و شرم کے ساتھ بندۂ مطیع رہنا مقصد اصلی ہے اور یہی احسان ہے' باقی زوائد۔''

اسی سلسلہ میں آگے صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کا سلوک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سنو! کہ سلوک صحابہ کرامؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ میں تحصیل احسان اور اپنا بندۂ ناچیز بے اختیار ہونا اور من کل الوجوہ محتاج ذات غنی کا اور حضور اس کردگار بے نیاز محسن عباد کا ہونا تھا۔ بندگی و بندگی عجز و در عجز' توکل در توکل' ہمت اطاعت و جان و مال بازی فی رضاء المولیٰ اس کا ثمرہ تھا' نہ استغراق تھا' نہ فنا تھی۔ متاخرین نے دوسرا راستہ نکالا کہ جس سے ربط حادث بالخالق کی کیفیت معلوم ہو جائے۔ سو بعد مجاہدات معلوم ہوا کہ سب مخلوقات اعلیٰ سے اخس تک اپنے خالق سے مربوط اور اس کے وجود سے موجود ہیں۔ بوحدت وجود یا بوحدت شہود علی خلاف بینہم۔

پس اس ربط کے شہود کا نام جذب رکھا گیا اور انتہاء راہ جذب اس نسبت کے انکشاف پر ہے' پس جذب کے معنی رجوع السالک الی حقیقۃ الخالق و اصل الاشیاء اور اس میں افناء اپنا اور اپنے علم انانیت کا کر دینا مقرر ہوئے۔

اس راہ جذب کو جو کچھ حضرات مشائخ نے طے کیا' اس کے بیان سے زبان عاجز ہے' گویا وہ کمالات اب کالعنقا ہو گئے۔ جس قدر سالک مجاہدہ کر کے کوئی مقام طے کرے ہنوز اس کے آثار کے سوئے ان کمال سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی ان کا حوصلہ و ملکہ ملاء اعلیٰ سے ناشی تھا' اب ملاء اسافل سے بھی پوری مناسبت نہیں۔ مع ہذا راہ جذب ہے نہ درگاہ (یعنی جذب طریق ہے مقصد نہیں اس لئے) بعد طے راہ جذب کے پھر وہی طریقہ صحابہؓ کہ عبدیت کا مقام ہے اختیار کرنا و عبادات و عاجزی کا معاملہ کرنا واجب ہوتا ہے۔''

(مکتوبات رشیدیہ ص۲۰)

حضرت گنگوہیؒ نے صحابہ کرامؓ کے سلوک کی جو تفصیل بیان فرمائی بہت خوب ہے۔ اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ حضرات صحابہ کرامؓ کا یہی حال تھا' لیکن حضرتؒ نے یہ جو فرمایا کہ وہاں نہ استغراق تھا نہ فنا تھی تو اس کی کچھ توضیح کرتا ہوں' وہ یہ کہ یہ صحیح ہے کہ جس نوع کا استغراق اور فنا متاخرین کو حاصل ہوا حضرات صحابہؓ کا فنا اس قسم کا نہ تھا' لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ حضرات فنا سے عاری تھے' ایسا نہیں تھا۔ ان حضرات نے بھی اپنے آپ کو کامل طور پر فنا کر دیا تھا۔ پورے فانی اور پوری طرح با ہوش اور بعد کے لوگوں میں یہ جامعیت نہ تھی' بلکہ ان کے فنا میں سکر بے انداز تھا۔ آپ کے سامنے صحابہ کرامؓ کی فنا کی ایک مثال بیان کرتا ہوں' وہ یہ کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ تھے' ان کا نکاح حضرت زینبؓ کے ساتھ ہوا تھا' لیکن مزاج کی موافقت نہ ہوئی' اور حضرت زیدؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور کہا کہ میں ان کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے منع فرمایا اور یہ فرمایا کہ اس نے میری خاطر سے اور اللہ اور رسولؐ کے حکم سے تم کو اپنی طبیعت کے خلاف قبول کیا ہے' اس لئے اب چھوڑ دینے کو وہ اور اس کے عزیز اپنی ذلت سمجھیں گے' اس لئے خدا سے ڈرو اور جہاں تک ہو سکے نباہ کی کوشش کرو' لیکن موافقت نہ ہوئی تھی نہ ہوئی' اور آئے دن جھگڑے اور قضیے پیش آتے رہے۔ ادھر اللہ کو یہ منظور تھا کہ جاہلانہ رسم یعنی اپنے لے پالک کی بیوی کے ساتھ نکاح نہ کر سکنا اس کو اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ سے عملی طور سے ہدم (ختم) کر دے تاکہ مسلمانوں کو آئندہ اس مسئلہ میں کسی قسم کا توحش باقی نہ رہے' اس لئے جب حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق

ختم نبوۃ

دے دی اور عدت گزر گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینبؓ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان ہی پر کردیا' جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

"پھر جب زیدؓ کا اس سے جی بھر گیا تو ہم نے آپؐ سے اس کا نکاح کردیا تاکہ مسلمانوں کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے نکاح کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنا جی بھر چکیں' اور خدا کا یہ حکم تو ہونے والا تھا ہی۔"

(بیان القرآن)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپؐ حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو یہ آیت سنائی' اور پھر اس کے بعد ان کا شمار ازواج مطہرات میں ہونے لگا۔

یہ واقعہ صحابہ کرامؓ کے سامنے پیش آیا' اور اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا اور اس میں شک نہیں کہ عجیب واقعہ تھا' مگر وہ حضرات اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح فنا کر چکے تھے کہ اس کے متعلق زبان سے کچھ کہنا تو درکنار کسی کو خطرہ اور وسوسہ کے درجہ میں بھی کوئی خیال نہیں گزرا' اس کی کوئی نظیر غیر صحابی میں تو مل ہی نہیں سکتی۔

اب اس سے بڑھ کر کیا فنا ہوگی کہ اپنی رائے کو اللہ اور رسول کی رائے اور ارادہ کے بالکل تابع کردیا تھا' اور فنا سے مراد حضرات مشائخ کی بھی ارادہ ہی کا فنا ہوتا ہے یا رزائل کا فنا ہونا ہے' چنانچہ یہاں ان دونوں ہی کا بے مثال ثبوت موجود ہے۔

اسی طرح حضرت گنگوہیؒ نے جذب (یعنی نسبت) کے معنی یہ بیان فرمائے کہ رجـــــوع السالک الی حقیقۃ الحقائق واصل الاشیاء اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ اس میں فنا اپنا اور اپنے علم وانانیت کا کردینا مقرر ہوئے۔ نہایت عمدہ بات فرمائی' بلاشبہ نسبت میں فناء علم اور فناء ارادہ تو ہوتا ہی ہے' اس کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلقات سے بھی دل سرد ہوجاتا ہے اور سالک کا مطلوب صرف ذات باری اور رضائے باری تعالیٰ ہوجاتا ہے۔ اس مضمون کو حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ خلف الرشید حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے مکتوبات میں خوب خوب بیان فرمایا ہے' اور اس میں شک نہیں کہ طریق کو سالک کی نگاہوں میں محبوب کردینے اور اس کی صعوبتوں کو برداشت کرنے اور حق تعالیٰ کی طلب میں سالک کو کھڑا کردینے کا ان بزرگ کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ فنا کے مضمون کو تو اس دلکش عنوان سے بیان فرماتے ہیں کہ بس انسان کمر ہمت باندھ کر میدان میں کود ہی پڑے۔ چنانچہ مکتوب بست ودوم مکتوبات جلد سوم میں صوفیائے کرامؒ کے طریق کی مدح فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ تم کو جمعیت خاطر کے ساتھ بعافیت رکھے اور شریعتِ محمدیؐ .... پر مستقیم ومستدیم رکھے' اور دنیوی تعلقات سے دور اور ماسوا اللہ کے علائق سے نفور رکھے' اور اپنے قرب ومعرفت کے سراپردہ کے ساتھ انس ومحبت بخشے (یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قرب خاص جس کا نام نسبت ہے) یہ چیز اس عالمِ اسباب میں حضرات صوفیہ عالیہ ہی کے طریق پر چلنے سے حاصل ہوسکتی ہے' چنانچہ ان بزرگوں نے حضرت حق جل وعلا کی محبت میں نہ اپنے آپ کو دیکھا اور نہ غیر کو بلکہ سب سے یک لخت خالی ہوگئے اور عشق مولیٰ میں اپنے نفس کو بلکہ سارے ہی جہان کو چھوڑ دیا' اور ماسوا اللہ کو اللہ کے راستہ میں خیرباد کہہ کر خود کو ان (اللہ) کے ساتھ واصل کرلیا' اس طرح سے کہ اب اگر کسی سے تعلق رکھتے ہیں تو اسی (اللہ) سے تعلق رکھتے ہیں' اور کسی سے واصل ہیں تو اسی (اللہ) سے واصل ہیں' چنانچہ ان حضرات کو باطن کے ماسوا اللہ سے ایسا انقطاع کلی ہوجاتا ہے کہ اب اگر ماسوا کو سالہا سال یاد کریں تب بھی یاد نہ آوے' اسی طرح نفس کی انانیت اور رعونت سے ایسا نکل جاتے ہیں کہ اب اس کے بعد لفظ "انا" کا استعمال بھی ان کو شرک معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد باندھا تھا اس کو سچ کر دکھایا' اور یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت اور بیع اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مشغول (یعنی غافل) نہیں کرتی۔ خداوندا! تو مجھے بھی اسی قوم میں سے کردے یا کم از کم ان کی زیارت کرنے والوں ہی میں سے بنادے کیونکہ ان دو کے علاوہ تیسری قوم میں ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اب جو شخص کہ طریق میں داخل ہونے کی ہوس رکھے اور طلب خدا کا بیج اپنے دل میں بونا چاہے تو اس کو لازم ہے کہ تمام چیزوں کو ترک کرکے مشائخ طریق کی صحبت اختیار کرے' اور لوازم طلب کے آگے اپنی جان نثار کردے' اور جس جگہ سے بھی اس دولت کی خوشبو اس کے مشام جان میں پہنچے اس

www.amtkn.com www.facebook.com/amtkn313 www.emaktaba.info

کی تحصیل کے درپے ہو جائے' کسی نے خوب کہا ہے کہ اب اس کے بعد مصلحت کار اس میں سمجھتا ہوں کہ مے خانہ کے دروازہ پر جا پڑوں اور خوشی خوشی وہیں ایام گزار دوں۔ وقیل فی ہذا المعنی:

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگزارند و خم طرۂ یارے گیرند

(مکتوبات ص ۲۸ ج ۳ ترجمہ)

ایک دوسرے مقام پر قبض و بسط پر' جو کہ سالک کے احوال میں سے ہیں اور طریق کے ارکان میں سے ہیں' کلام کرتے ہوئے نسبت کے متعلق فرماتے ہیں کہ کبھی اس کا ضعف سالک کے قبض کا سبب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

"کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قبض کا منشا نسبت باطنی کا ضعف بن جاتا ہے' کیونکہ نسبت جب قوی نہیں ہوتی تو کبھی اس کا ظہور ہوتا ہے اور کبھی وہ مستور ہو جاتی ہے' بالخصوص اس حالت میں جب کہ اپنے شیخ سے صوری اور ظاہری بُعد (دوری) بھی ہو۔ چنانچہ جب تک نسبت کا رسوخ نہ ہو جائے یعنی وہ ملکہ نہ بن جائے اس سے پہلے شیخ سے جدائی اس قسم کے ضعف کا سبب بن جاتی ہے' یعنی جب شیخ کی خدمت میں رہے گا تو نسبت میں قوت محسوس ہو گی اور جدا ہونے میں اس میں ضعف ہو جائے گا اس کا علاج رہبر کامل کی صحبت اور اس کی توجہ ہے تاکہ نسبت قوی ہو کر ملکہ راسخہ ہو جائے اور سالک فنا کی حد تک پہنچ جائے۔"

(مکتوبات معصومیہ ص ۱۶۲ ترجمہ)

اس کے بعد توجہ شیخ اور صحبت کامل کو مدار کار یعنی حصول نسبت اور ذریعہ تقویت نسبت قرار دے کر اس پر نہایت ہی زوردار کلام کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ نسبت کسی صاحب نسبت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے' چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

"مرشد کامل کی توجہ دوسری صورت میں بھی' یعنی جب کہ کسی معصیت اور لغزش کے سبب نسبت میں تاریکی آجائے' نافع ہوتی ہے' اس لئے کہ شیخ کامل کی توجہ ایسی چیز ہے کہ اگر ظلمات و کدورات کے پہاڑ کے پہاڑ ہر طرف سے نمودار ہو جائیں تو ان کو بھی مرید صادق سے دفع کر کے اس کے باطن کی تطہیر کر سکتی ہے۔ اسی طرح سے شیخ کی یہ توجہ سالک کے لئے حالت قبض میں بھی مفید ہے۔ چنانچہ بہت جلد اس میں بسط پیدا کر کے ترقی کا راستہ اس پر کھول سکتی ہے۔"

حاصل کلام یہ کہ مدار کار وہ صحبت اور وہ توجہ ہے جو کہ محبت یعنی عقیدت اور سپردگی کے ساتھ جمع ہو جائے یعنی سالک کی جانب سے محبت اور حوالگی ہو اور شیخ کی جانب سے توجہ۔

چنانچہ تنہا محبت بدون توجہ شیخ کے بھی رہبر بن سکتی ہے یعنی نافع ہو سکتی ہے اور ترقی دے سکتی ہے مگر محض توجہ شیخ بدون محبت طالب کے کچھ زیادہ نفع بخش نہیں۔

یہ محبت ہی کا کرشمہ ہے کہ وہ تنہا شیخ کی توجہ باطنی کو جذب کر لیتی ہے اور اس کے مخصوص کمالات کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے' اور فانی الشیخ بلکہ فانی اللہ کا مقام حاصل کرا دیتی ہے اور اگر صفات مذکورہ یعنی محبت و توجہ جانبین سے ظاہر ہوتی ہیں تو اب حصول نسبت کے بعد امید قوی ہو جاتی ہے کہ ترقی کا راستہ کھل جائے اور جلد ہی منزل مقصود تک رسائی ہو جائے' اور سالک راستہ ہی میں نہ رہ جائے۔" (ص ۱۶۵)

اور پھر کچھ آگے لکھتے ہیں کہ:

"پس اس طریق میں سالک کے توقف کا سبب اور اس کے حق میں مانع اور سد راہ کوئی اور چیز نہیں ہے بجز سالک کی سستی کے' چنانچہ جو طالب صادق کسی کامل کی صحبت میں پہنچ جائے اور وہ تمام شرائط بجالائے جنہیں اکابر طریق نے مقرر کیا ہے تو امید ہے کہ ضرور بالضرور واصل ہو جائے۔" (مکتوبات معصومیہ ص ۱۹۹ ترجمہ)

اس میں اس امر پر تنبیہ فرمائی ہے کہ شیخ کامل کو پا کر بھی اگر سالک کامیاب نہیں ہو رہا ہے تو سمجھنا چاہئے کہ خود اس کے اندر کوئی علت اور مانع موجود ہے اور علی العموم وہ مانع طالب کی کاہلی اور سستی اور اس کا شرائط طلب کا بجا نہ لانا ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر سلوک کا مقصود بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"سیر و سلوک سے مقصود پیر بننا اور مرید بنانا نہیں ہے بلکہ وظائف بندگی کا اس طرح سے ادا کرنا ہے کہ نفس کی آمیزش اور منازعت باقی نہ رہے۔

اسی طرح سے طریق کا مقصود نیستی اور گمنامی کی تحصیل اور نفس کی سرکشی اور خود رائی کو دور کرنا ہے' اس لئے کہ معرفت کا

ختم نبوۃ

حصول اسی کے ساتھ وابستہ ہے' اور جب ایسا ہے تو جو شخص ایسے شخص کی جانب رجوع ہو اور اس سے تعلق کا اظہار کرے تو اس نے گویا اس کو حق تعالیٰ کی جانب سے پھیر کر اپنی جانب مشغول کرلیا' اور جو شخص ایسے شخص کی جانب رجوع نہیں کرتا تو وہ اس کو حق تعالیٰ کے ساتھ رہنے کا موقع دیتا ہے' لہٰذا اس کا شکرگزار ہونا چاہیے۔

اے اللہ! تو ساری مخلوق کو مجھ سے برگشتہ کردے' ایسا کہ وہ میری جانب رخ ہی نہ کریں۔ اس طرح سے مجھے تمام دنیا والوں سے یکسو فرمادے' اور میرے دل کو ہر طرف سے پھیر دے' اور اپنے عشق میں مجھے یکسو اور ہمہ تن متوجہ فرمادے۔"

(مکتوبات معصومیہ ص ۹۸ ترجمہ)

دیکھئے یہاں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ جو فرمارہے ہیں کہ سیر وسلوک سے مقصود وظائف بندگی کا اس طرح ادا کرنا ہے کہ نفس کی آمیزش اور منازعت باقی نہ رہے' یہ سکینہ ہی کی تعبیر ہے جس کا دوسرا نام نسبت ہے' جیسا کہ میں نے روح المعانی سے سکینہ کی تعریف یہی بیان کی تھی کہ سکینہ اس قوت قلبیہ کا نام ہے جس میں طمانیت کی ایسی آمیزش ہو کہ احکام الٰہیہ سننے کے بعد انسان سے نفسانی تقاضے ختم ہو جائیں اور جو چیز بھی ظاہر ہو بدون معارضۂ نفس کے انسان اس پر راضی ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیر وسلوک سے مقصود اور اس کا منتہیٰ تحصیل نسبت ہی ہے' اور جب کسی میں یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے تو پھر وہ شخص خود کو فنا ہی کردیتا ہے' اور اسی میں انسان کی خیریت ہے' اور یہی اس کا سب سے بڑا کمال ہے' جیسا کہ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"امید کرتا ہوں کہ برادر عزیز بھی بخیریت ہوں گے اور ظاہری و باطنی جمعیت کے ساتھ متصف نیز الفاظ سے معنی میں اور ظل سے اصل کی طرف آگئے ہوں گے کیونکہ ظل سے اصل کی جانب شاہراہ لگی ہے۔ باقی اصل تک پہنچنے میں جو چیز ہے وہ ظل کا خود اپنی جانب توجہ کرنا اور اصل سے اعراض کرنا ہے' اور اگر یہ سیر وسلوک کے ذریعہ بلکہ (یوں کہنا چاہئے کہ) حق تعالیٰ کی عنایت ازلی کے سبب سے سالک کی توجہ ظل سے ہٹ کر اصل کی جانب ہوجائے اور بجائے اعراض کے اصل کی جانب اقبال ہوجائے تو سمجھنا چاہئے کہ سعادت کا رشتہ ہاتھ لگا اور سالک نے مضبوط کڑے کو ہاتھ سے پکڑلیا۔

جب تم نے یہ معلوم کرلیا کہ کس کے ظل ہو' اور تمہاری اصل کون ہے؟ تو بس اب تم فارغ ہوگئے' مرجاؤ' چاہے زندہ رہو' مقصود حاصل ہے۔ ظل جب اس سے مل جاتا ہے اور اس کے ساتھ پیوست ہوجاتا ہے تو سالک اپنے اندر اضمحلال و استہلاک اور فنا اور نیستی کی کیفیت محسوس کرتا ہے اور یہ چیز اس کے حق میں کمال ہے۔ اس لئے کہ سالک کا کمال ہی سلب کمال میں ہے' اور اس کی خیریت ہی عدم خیریت میں ہے۔ معرفت جس چیز کا نام ہے وہ اسی فنا سے وابستہ ہے اور قرب اسی انتفاء سے ملا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تجلی جب کسی چیز پر ہوتی ہے تو وہ اس کے سامنے پست اور خاضع ہوجاتا ہے۔

اس فنا اور نیستی کے بعد نفس کے اندر اس بات کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے کہ اس کو اپنے پاس سے زندگی بخشیں اور اپنے اخلاق کے ساتھ اس کو متخلق بنادیں۔ خود ہی ارشاد فرمایا ہے کہ جس کو میں قتل کردوں تو میں اس کا خون بہا ہوں اور پھر اس کے بعد اس شخص کو ناقصوں کی تکمیل کے لئے مقرر فرمادیتے ہیں۔ دیکھو ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا ہم نے اس کو زندہ بنادیا' اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔"

چنانچہ اس آیت میں اسی شخص کے حال کی خبر ہے۔ اب اس وقت جاکر اس کے حق میں نعمت تمام ہوتی ہے اور خلافت کے معنی کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ دولت اور سلطنت کا کام ہے اور ایک منصب عظیم ہے' دیکھنا چاہئے کہ کب اور کسے عنایت فرماتے ہیں۔"

(مکتوبات معصومیہ ص ۸۲ ترجمہ)

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ خلافت باطنی کس قدر زبردست منصب ہے اور اس کے کتنے شرائط ہیں۔ اب منصب تو لینا چاہتے ہیں لیکن شرائط و آداب نہیں اختیار کرنا چاہتے۔ صحیح طور پر مرید بھی نہیں ہوتے اور پیر بن جانا چاہتے ہیں:

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

www.amtkn.com www.facebook.com/amtkn313 www.emaktaba.info

فریضہ دعوت اور اس کا حکیمانہ اسلوب

مولانا سید محمد الحسنی

اسلام کی دعوت کی راہ میں درپیش مسائل و مشکلات میں سے سب سے بڑی دشواری و پریشانی تمام انسانی طبقات کو ایک ہی پلیٹ فارم پر متحد کر کے ان میں باہمی ربط پیدا کرنا ہے کیونکہ مذہب اسلام کسی مخصوص قوم و نسل کا مذہب نہیں ہے بلکہ یہ تو ہر طبقہ و نسل انسانی' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' جوان ہو یا بوڑھا' جاہل ہو یا عالم' کسان ہو یا ملازم' سب کا دین نیز ان طبقوں کے ہر فرد کے لئے خاص تعلیمات کا بھی حامل ہے' جو انہی کے اسلوب و انداز میں ان کو مخاطب کر کے ان کے جذبات و احساسات کو بیدار کرتا ہے۔ ان کی عقل و فکر کو مطمئن کر کے ان کی خوابیدہ صلاحیتوں سے پورا فائدہ اٹھا کر سب کو ایک عظیم مقصد کی طرف لے کر گامزن رہنا صرف اسلام کا امتیاز اور اسی کی خصوصیت ہے۔

یہ ہے ان طبقات کے سلسلہ میں اسلامی نقطہ نظر اور ان کے مسائل و مشکلات کا اصل علاج' چنانچہ دعوت کے راستہ میں اس طرح کے نازک اور پیچیدہ حالات سے دوچار ہونا ایک فطری امر ہے بلکہ دعوت کی کامیابی کا معیار ہی یہ ہے کہ ان مسائل و مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے ان طبقات کے افکار و نظریات اور ان کی صلاحیتوں اور نفسیات کا جائزہ لے کر اسی اعتبار سے جدید طرز و اسلوب میں اسلامی نظریہ اور اسلامی نظام حیات کو ان کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے کہ فوراً اس کو قبول کرنے کے لئے نہ صرف تیار بلکہ اس کے گرویدہ ہو جائیں' چنانچہ یہی مطلب ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس حکیمانہ جملہ کا:

"لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات کرو' کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ و رسول کی تکذیب کی جائے۔"

اسلام کی دعوت کا یہ مہتم بالشان فریضہ جہاں بھی ادا کیا جائے گا' اسے اس غیر معمولی صورت حال سے ضرور نبرد آزما ہونا پڑے گا لیکن سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اس فریضہ کی ابتداء کہاں سے کی جائے' اور کس طبقہ کو سب سے پہلے اپنی دعوت کا مخاطب اور سرگرمیوں کا محور و مرکز بنایا جائے؟ چنانچہ بعض لوگ کسی طبقہ کو اپنے رجحانات و خیالات سے قریب تر پا کر بغیر کسی مستحکم قوت فیصلہ و حکمت عملی اور بغیر غور و فکر اپنے دعوتی عمل کا آغاز ایک ہی اسلوب میں کر کے اسی پر اپنی ساری دلچسپیاں مرکوز کر دیتے ہیں جبکہ یہ طریقہ کار ایک جامع و ہمہ گیر دعوت کے مزاج و منہاج کے سراسر خلاف ہے' بلکہ دعوت اسلام تو ہر طبقہ انسانیت کے لئے عام ہے اور یہ دین ساری انسانیت کا مذہب ہے' جہاں قوم و وطن' رنگ و نسل کے امتیازات کی ساری دیواریں منہدم ہو جاتی ہیں' وہ اس دعوتی عمل میں جوانوں سے لے کر علماء و صحافی' تاجر و مزدور' انجینئر و کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ تک بھرپور حصہ لینے کی دعوت دیتا ہے تاکہ ہر فرد اپنے طبقہ کی مشکلات کو سمجھ کر اسلامی اصول و تعلیمات کی روشنی میں انہی کے مزاج و حالات کے لحاظ سے اس کا صحیح حل پیش کر سکے۔

اس وقت میں چند بااثر طبقات کا تذکرہ کر رہا ہوں:

۱: کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ و اساتذہ۔

۲: افسران و ملازمین۔

۳: تاجر حضرات۔

۴: تعلیم یافتہ خواتین۔

۵: لیبر طبقہ اور انجینئرز۔

اس مختصر فہرست ہی پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ صرف کسی ایک اسلوب اور ایک ہی زبان سے تمام

طبقات کو مطمئن نہیں کیا جا سکتا ہے' جس طرح دین دار اور صالح' بے دین اور منحرف مسلمانوں کے دعوتی اسلوب میں فرق ہوتا ہے' اسی طرح ہر طبقہ کے اسلوب میں نمایاں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

مثال کے طور پر جدید تعلیم یافتہ نسل جو نہ صرف مغربی افکار و نظریات کی دلدادہ اور اس پر فریفتہ ہے بلکہ ہر شعبہ زندگی میں اسی پر قانع و مطمئن اور ان فلاسفہ و مفکرین کی تعظیم و تقدیس کی معتقد ہے' اس کو دعوت دینے کا اسلوب عوامی دعوت سے بالکل منفرد و جداگانہ ہوگا۔ اس کو تو ایسے بلند پایہ علمی و فکری مضامین اور تصنیفات کی ضرورت ہے جو اس کے مادی طرز فکر کی جڑ کاٹ دے اور اس کے دل سے مغرب کی ہیبت و مرعوبیت کو سرے سے زائل کر دے' کیونکہ نہ وہ عوامی سطح کی کتابوں سے متاثر ہوتی ہے' اور نہ ہی لچھے دار تقریروں سے اس کے نظریات میں کوئی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ الغرض داعی کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ایسے اسباب و وسائل کو بروئے کار لائے جس سے اس مقصد میں کامیاب ہو سکے۔

یہی حال مدارس اسلامیہ کے طلبہ کا ہے کہ ان کی تربیت اس طرح کی جائے کہ وہ ایک طرف جدید جاہلی رجحانات اور ملحدانہ افکار و نظریات سے مقابلہ کی صلاحیت سے بھرپور ہوں تو دوسری طرف انہیں مغربی فلسفہ و نظام فکر اور جدید اشتراکی نظریات سے گہری واقفیت ہو کیونکہ ان مادی فلسفوں کے متعلق گہری واقفیت حاصل کئے بغیر اس سے جنگ آزمائی اور اس پر غلبہ ممکن نہیں ہے' ورنہ ان کی مثال اس شخص کی سی ہوگی جو ہواؤں میں محل تعمیر کرتا ہے۔

اسی طرح طبقہ ملازمین کی بھی کچھ خاص پریشانیاں ہیں اور جب تک ہم ان کے اقتصادی و نفسیاتی مشکلات کا صحیح حل مشفقانہ انداز میں پیش نہیں کریں گے' اس وقت تک وہ ہمارے ساتھ نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح عورتوں کے مختلف خانگی و ازدواجی اور تربیتی مسائل سے بھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ جدید نسل کی تربیت اور اصلاح معاشرہ میں ان کا بڑا اہم کردار ہے۔ اس کے علاوہ وہ مختلف فرائض بغیر ہمارے تعاون و ہمت افزائی کے ادا نہیں کر سکتیں۔

اگر دعوت کا رشتہ معاشرہ سے کٹ جائے گا تو وہ زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہ سکتی' اور مختلف حالات کے پیش نظر اسلوب دعوت کا لحاظ بھی نہایت ضروری ہے۔

دعوت کے دو اساسی پہلو:

حکمت و دانائی' فقہ و بصیرت اور ایمان و یقین داعی کے لئے ہمیشہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان میں سے کسی ایک سے چشم پوشی کر کے صرف کسی ایک ہی پہلو پر اکتفا کرنے سے دعوت میں نہ صرف نقص و کمی اور رخنہ پڑ جاتا ہے بلکہ وہ اپنے صحیح رُخ سے پھر جاتی ہے۔

دعوتی عمل میں حکمت و دانائی' عقل و خرد سے آنکھیں بند کر کے صرف جذباتی انداز سے کام لینا نہ اسلامی تعلیمات کا منشا ہے اور نہ ہی فطرت سلیم کا تقاضا' بلکہ صدیوں کے انسانی تجربات بھی اس طرز انداز کے خلاف شاہد عدل ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"آپ کہہ دیجئے کہ میرا طریق یہی ہے' میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں دلیل پر قائم ہوں' میں بھی اور میرے پیرو بھی۔"

"اور وہ لوگ کہ جب ان کو ان کے رب کی نشانیاں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ اس پر اندھے بہرے ہو کر نہیں پڑتے۔"

دوسری طرف دعوت اگر دولت ایمان و عرفان سے خالی اور جذبہ درد سے عاری ہو تو دعوت بے کیف و بے روح اور بے برگ و بار بلکہ بے قیمت و بے اعتبار ہے:

"اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں۔"

"اللہ کو خوب یاد کرو اور پاکی بیان کرتے رہو اس کی صبح و شام۔"

لہٰذا دعوت کے لئے ایمان راسخ اور ایسے دائمی و مستحکم تعلق مع اللہ کی ضرورت ہے جو تعلق پیار و محبت' خوف و خشیت' دعا و تضرع' الحاح و زاری' اور جذبہ شکر سے معمور اور یقین و توکل سے مخمور ہو بلکہ وہ تعلق اس پر ایسا حاوی ہو کہ اگر ایک طرف معمولی نعمت سے لطف اندوز ہو رہا ہو' تو دوسری طرف اس کی جناب میں آدمی لغزش سے تھراتا ہو' ہمہ آں و ہمہ لحہ اس کی عظمت و کبریائی کے آگے سجدہ ریز اور خود کو ایک لاچار و محتاج بندہ تصور کر کے خدا کے دربار عالی میں یوں دست بستہ ہو کہ سر اس کے آگے خم اور آنکھیں اس کے خوف و ہیبت سے آنسوؤں سے تر بتر ہوں۔

یہ ہے مرد مسلماں کا حقیقی معیار زندگی' یہی وہ ایمان ہے جو جب انسانی قلوب میں راسخ ہو جاتا ہے تو اس کے نظام حیات میں ایک انقلاب برپا کر دیتا ہے' جہاں ایک ایسا انسان وجود میں آتا ہے جو اپنے جذبات و کیفیات' طرز فکر' کردار و گفتار میں بالکل انوکھا اور نرالا نظر آتا ہے۔

اسلام کی دعوت صرف چند افکار و نظریات کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ حب الٰہی اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر جذبہ قربانی سے سرشار ایسی زندگی کا نام ہے' جس کی تشکیل جذبی طرز و انداز پر ہوتی ہے۔

ایمان و اخلاص اور محبت زندگی کا جوہر اور دعوت کی روح اور وہ متاع بے بہا ہے کہ اس کے سامنے اگر ایک طرف تصنیفات کی کثرت' خطابت کی سحر بیانی' مطالعہ اور نتائج فکر کی جدت طرازیاں ہوں اور دوسری طرف شاہانہ شان و شوکت' مسلح طاقتوں کا انبوہ ہو تو وہ بھی ہیچ اور ناقابل اعتبار ہے۔ اسی ایمان کی کارفرمائی ہے کہ وہ انسانی اخلاق و کردار کو سنوار کر اور اس کے افکار کی تشکیل کر کے اس میں ایسی انقلابی روح پیدا کر دیتا ہے کہ اس کی ہر نگاہ اور ہر بات اخلاص میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے کہ اس کا ہر ہم نشیں اس کی گواہی دینے پر مجبور ہوتا ہے' حتی کہ اس کے چہرے کی نورانیت سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ اس کا دل ماسوا سے خالی اور دنیوی جاہ و منصب اور انانیت سے پاک ہو چکا ہے' اس کی مجالس میں بیٹھنے سے آخرت کی یاد تازہ اور دینی جذبہ بیدار ہوتا ہے' دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق انگڑائی لینے لگتا ہے' اور بسا اوقات تو اس کی خاموشی اور سکوت اس کی گفتگو سے زیادہ مفید اور اس کی گفتگو اوروں کے وعظ و تقریر سے زیادہ موثر ثابت ہوتی ہے۔ اس کی چند لمحہ کی ہمنشینی ہی دلوں کی بیٹری چارج کرنے' خواہشات نفسانی' اور طاغوتی طاقتوں پر غلبہ حاصل کرنے کی قوت پیدا کرنے کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔

یہ کوئی مقناطیسی عمل یا عصائے ساحر نہیں ہے بلکہ یہ اسی ایمان و یقین کی کرشمہ سازی اور تعلق مع اللہ' شوق لقاء' خوف و رجاء اور اپنی چشم بصیرت سے اس کی قدرت و رحمت کے مشاہدات کی جلوہ گری ہے جس میں تیز و تند ہواؤں سے بھی کوئی جنبش پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ ساری چیزیں محض ظاہری اشکال' فکری تعیش اور ادبی فنکاری کے مظاہر کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ لہٰذا اس ایمانی خلا کو کسی چیز سے پر نہیں کیا جا سکتا ہے' اور اس متاع گراں مایہ کی حفاظت لاکھوں مسائل و مشکلات کے باوجود ہر مسلمان کا فرض اولین اور اس کے خصائص و محیر العقول کارناموں سے واقفیت ہر داعی اسلام کی پہلی ضرورت ہے۔

چنانچہ حکمت و دانائی' ایمان و یقین میں باہمی ربط و اتحاد' اسلام کی دعوت کی اساس اور اس کی شرط اول ہے' آج عالم اسلام میں اس حقیقت سے غفلت عام ہے جس کا احساس چند لوگوں کو بھی مشکل ہی سے ہے۔

دعوت کا یہی اصل نبوی طرز اور حیات اسلامی کا حقیقی معیار ہے جس پر اپنی ساری کوششوں اور توجہات کو مرکوز کر دینا اور اس پر جاں نثاری ہمارا اہم فریضہ ہے۔

☆☆......☆☆

ضرورت ہے

درس و تدریس سے دلچسپی رکھنے والے عالم حضرات جو قرآن مجید کی تعلیم دینے والے معلمین کو تربیت دے سکیں' ''ٹرسٹ جمعیت تعلیم القرآن'' کے اصولوں کے مطابق تربیت دینے کے لئے تقرری سے قبل تربیتی کورس میں شرکت کرنی ہوگی' کامیاب ہونے پر تقرری کی جائے گی۔ وظیفہ قابلیت کے مطابق' سندھ و بلوچستان کے شرکاء کے لئے قیام و طعام کا بندوبست ہوگا۔

ٹرسٹ جمعیت تعلیم القرآن
و فیروز ہاشم فاؤنڈیشن
عالمگیر مسجد' عالمگیر روڈ' بہادر آباد کراچی
فون: ۴۹۳۵۸۲۴_۴۹۳۲۲۸۳_۴۹۴۹۸۳۷' فیکس: ۴۹۳۶۵۴۲

والدین کے حقوق

مولانا محمد نذر عثمانی

اسلام دین فطرت ہے' جو زندگی کے تمام ادوار کی رہنمائی کرتا ہے اور زندگی گزارنے کے لئے جو رہنمائی اسلام پیش کرتا ہے' دنیا کے تمام مذاہب اس بارے میں خاموش ہیں' معاشرے کی اصلاح میں والدین اور اولاد کی کیا ذمہ داری ہے؟ آیئے قرآن و حدیث سے اس کی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۳'۲۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

''اور لوگو تمہارے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اپنے ماں' باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور ان میں سے ایک یا دونوں تمہاری زندگی میں بڑھاپے کی عمر کو پہنچیں تو کسی بات پر ان کو اف تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے ادب سے بات کرو اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہو اور ان کے حق میں یہ دعا کرتے رہو کہ پروردگار جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما۔''

اس آیت شریفہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے نیکی' نرمی' رعایت اور مہربانی کو ماں باپ کا حق قرار دیا اور اس حق کی تائید اس طرح فرمادی ہے کہ اسے اپنے حق کے ساتھ جوڑ دیا ہے' اس سے ماں باپ کے حقوق کی عظمت اور انہیں پورا پورا انجام دینے کی ضرورت کا پتہ چلتا ہے' ماں باپ جن کے احسانات ہر قسم کی غرض سے پاک وصاف ہوتے ہیں' جنہوں نے اپنی جان کا اور دلسوزی کا کبھی بدلہ طلب نہیں کیا بلکہ بچپن سے لے کر جوانی تک اولاد کی خدمت کی' اس کی دیکھ بھال کی' سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے رہے' شفقت اور محبت کے موتی اس پر نچھاور کرتے رہے اور اسے پال پوس کر جوان کیا' اس کی صحیح تربیت کی' اسے تعلیم دلائی' والدین کے حقوق کے بارے میں ارشاد ربانی پڑھنے کے بعد ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی طرف جاتے ہیں کہ انہوں نے والدین کو کتنا رتبہ دیا ہے' فرمایا:

''کیا میں تمہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ نہ بتادوں؟ وہ یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور ماں باپ سے بے تعلقی برتنا۔'' (بخاری شریف)

''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ کا بڑھاپا پایا یا دونوں میں سے کسی ایک کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت میں نہیں داخل ہوا۔'' (مسلم' ترمذی)

ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں میں میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ماں' انہوں نے عرض کیا: پھر کون' فرمایا: تمہاری ماں' عرض کیا: پھر کون' فرمایا: تمہاری ماں عرض کیا: پھر کون' فرمایا: تمہارا والد۔'' (بخاری ومسلم)

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم اتنی وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ کوئی مسلمان ان احکامات سے صرف نظر نہیں کرسکتا' ماں باپ کی نافرمانی' ان سے بے تعلقی اور ان کے احسانات کو بھلا دینا کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے اور کسی مسلمان سے گناہ کبیرہ کا سرزد ہونا کسی طرح اس کے لئے زیبا نہیں' در حقیقت ماں باپ کی رضا اور خوشنودی میں اللہ کی خوشنودی مضمر ہے اور ان کی ناراضی میں خدا کی ناراضگی پنہاں ہے۔

ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے باپ نے میرا مال لے لیا ہے' حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جاؤ اپنے والد کو بلا کر لاؤ' اتنے میں حضرت سیدنا جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا: اللہ رب العزت آپ کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب وہ بوڑھا (لڑکے کا باپ) آ جائے تو اس سے وہ بات دریافت کیجئے گا جو اس نے اپنے آپ سے اس طرح کہی ہے' جس کو اس کے کانوں نے بھی نہیں سنا' جب وہ بوڑھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا بات ہے؟ تمہارا بیٹا تمہارے متعلق شکایت کرتا ہے کہ تم نے اس کا مال لے لیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسولؐ! اس سے دریافت فرمائیں کہ کیا میں نے وہ روپیہ اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ پر یا اپنے ہی اوپر خرچ نہیں کیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھا اسے رہنے دو' مجھے بتاؤ کہ تم نے اپنے دل میں کون سی بات کہی ہے؟ جسے تمہارے کانوں نے نہیں سنا' بوڑھے نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ سے متعلق ہمارا یقین بڑھاتا ہی جاتا ہے' میں نے اپنے دل میں ایسی بات ضرور سوچی تھی جسے میرے کانوں نے نہیں سنا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کہو' میں سن رہا ہوں' بوڑھے نے عرض کیا کہ میں نے اپنے بیٹے کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا (عربی اشعار کا مفہوم): جب تو شیرخوار تھا' میں نے تجھے کھلایا اور جب تک تو جوان ہوا میں نے تیری کفالت کی' میری اپنی کمائی سے تو کھاتا پیتا اور بار بار کھاتا پیتا رہا۔ جب بیماری کی وجہ سے کوئی رات تجھ پر دشوار گزرتی تو تیری بیماری کے سبب میں سوتا نہیں تھا اور رات بھر جاگ جاگ کر کروٹیں بدلتا تھا' جیسے میں ہی ان تمام افتاد کا نشانہ تھا' جس کا بجائے تیرے میں شکار ہوتا رہا' اسی لئے میری آنکھیں روتی رہی ہیں' آج بھی میرا دل تیری ہلاکت سے ڈرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ موت کا ایک دن معین ہے اور جب تو اس عمر اور اس سن کو پہنچا جس انتہا تک پہنچنے کی مدت سے میں آس لگائے تھا' میری ساری کرنی کا صلہ تو نے سختی اور سنگ دلی سے دیا' جیسے تو ہی بڑا محسن اور مجھ سے بڑھا ہوا تھا' کاش! جب تو نے میرے پدری حقوق ادا نہ کئے تو کم از کم ایسا کرتا جیسا کہ بازو کا پڑوس والا کیا کرتا ہے' تو نے میرا درجہ پڑوسی سے بھی نیچے گھٹا دیا' اس لئے اور مال سے نہیں لیکن اپنے مال سے ضرور میرے ساتھ بخل کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو اس بیٹے کا گریبان تھام کر فرمایا: تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ سبحان اللہ۔

قارئین کرام اس بات سے اندازہ لگایئے کہ والدین کے کیا حقوق ہیں اور ذرا آج کل کے اس بگڑے ہوئے معاشرہ پر بھی نگاہ ڈالیں کہ ہم کس مقام پر کھڑے ہیں' وہ اسلامی معاشرہ جس کی تربیت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی' وہاں پر والدین کے حقوق ادا کرنے کی اتنی ترغیب دی جاتی ہے بلکہ قرآن کریم نے حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو کی جانے والی وصیتوں کا تذکرہ کیا ہے کہ سب سے پہلے منعم حقیقی یعنی باری تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا جائے' جس نے اولین احسان کیا' پھر دوسرے درجہ کے محسن یعنی والدین کا شکر گزار ہونا چاہئے اور اپنی ڈیوٹی اس ترتیب سے انجام دینی چاہئے کہ پہلے اللہ کا شکریہ ادا کرے' اس کے بعد ماں باپ کا شکر گزار ہو:

"ان اشکرلی ولوالدیک"۔

(سورۃ لقمان)

ترجمہ: "میرا بھی شکریہ ادا کرو اور اپنے ماں باپ کا بھی۔"

لیکن جاننا چاہئے کہ اس تمام تر فضیلت اور شفقت کے باوجود بچہ اور ماں باپ کے درمیان استوار یہ رشتہ اسی ترتیب کے مطابق ہوگا جو عقائد میں درج ہے' یہی وجہ ہے کہ آیت کے باقی ماندہ حصہ میں انسان کے اپنے ماں باپ سے تعلق کو اس رخ سے بھی پیش کیا گیا:

"اور اگر تیرے ماں باپ تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرا جس کا تجھے علم نہیں تو تو ان کا کہنا نہ ماننا؟"

یہاں ماں باپ کی اطاعت کی ایک حد بیان کردی گئی ہے اور عقیدہ کا رشتہ ہر رشتہ پر غالب آ جاتا ہے اور یہی حکم میرے آقا سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"کسی مخلوق کے ایسے کسی حکم کی تعمیل نہیں کی جاسکتی جس سے خالق کی نافرمانی لازم آئے۔" (مستدرک حاکم)

اولاد ماں کے لئے جگر گوشہ اور اس کے بدن کا ٹکڑا ہوتی ہے' قرآن کریم میں سورۃ احقاف میں ارشاد ہوتا ہے:

"اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا کہ اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا' اس کا پیٹ میں رہنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے میں ہوتا ہے۔"

اس آیت کے ذیل میں "اسلام میں خاندان کا مقام" کے مصنف نے تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

ختم نبوۃ

"ماں جس نے ایک مدت تک اسے پیٹ میں اٹھایا' اپنی غذا سے اسے پروان چڑھایا' پھر جب اس چھوٹی سی جان نے دنیا میں قدم رکھا تو اس نے اس کی پرورش کی' راتوں کو اس کے لئے جاگتی رہی' اپنی زندگی کی ڈور کو اس کے ساتھ باندھے رکھا' طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں اور خوشی خوشی سہتی رہی' اس لئے کیا کسی انسان کے لئے ان قربانیوں کو فراموش کرنا ممکن ہے جس کے لئے یہ تمام تکالیف اس غریب نے اٹھائیں' جس کی راحت کے لئے اپنے آرام کو تباہ کیا' کیا آدمی اپنی ماں کی جدوجہد' اس کی جفاکشی اور اس کے گھلنے گھلنے کو بھول سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک وقت کی اس گھڑی کو برابر یاد دلاتا ہے جس کو انسان بھول چکا ہے' جو اس کی زندگی کی نازک ترین اور اہم ترین گھڑی تھی' اس لئے انسان کو چاہئے کہ اس گھڑی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے اور اسی آنکھ سے ماں کو دیکھتا رہے۔ اسی حوالہ سے میں یہاں پر ایک اور خط کا اقتباس نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ماں کا رشتہ کیا ہے؟ اس کی محبت و شفقت کو الفاظ کے بولوں میں نہیں تولا جا سکتا۔ ایک بیٹی کا خط اپنی مہربان ماں کی طرف' وہ لکھتی ہے:

"ماں! میں تو دیکھتی تھی کہ تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو' مجھ پر کتنی توجہ کرتی ہو' اس وقت جب میں ننھی منی بچی تھی' پھر میں جوان ہوئی' ان تمام دنوں بالخصوص بچپن اور جوانی

باقی صفحہ ۲۶ پر

مسلمان قادیانیوں کی ارتدادی سرگرمیوں کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن کر عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ کریں

پشاور (نمائندہ خصوصی) عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پشاور کی مجلس عاملہ کا اجلاس زیر صدارت مولانا مفتی شہاب الدین پوپلزئی منعقد ہوا' ناظم مجلس نے گزشتہ ماہ کی تبلیغی پروگراموں کی رپورٹ پیش کی' جس میں نوے مساجد میں مسئلہ ختم نبوت اور قادیانیت کے کفریہ عقائد کے بیان کے ساتھ ساتھ ان اجتماعات میں تقریباً ساٹھ ہزار کے قریب مجلس کا مطبوعہ لٹریچر تقسیم کیا گیا' علماً کرام' خطباً عظام اور مسلمانوں نے مکمل تعاون کرتے ہوئے ان پروگراموں کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا اور مجلس کے قائدین کو خراج تحسین پیش کیا کہ انہوں نے وقت کے تقاضوں کے پیش نظر اس طرح کے تبلیغی پروگرام ترتیب دے کر مسلمانوں کے ایمانوں کو قادیانیوں کے کفر و ارتداد سے بچانے کی ایک اچھی کوشش کی' ان اجتماعات سے مولانا نور الحق نور اور حاجی اقبال شاہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی قائدین کے فیصلہ کی روشنی میں خصوصاً مجلس کے ہر کارکن کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ فتنہ قادیانیت کی ارتدادی سرگرمیوں کے مقابل ایک سیسہ پلائی دیوار بن کر عقیدۂ ختم نبوت اور ناموس رسالت کے تحفظ کی خاطر جدوجہد کرے' الحمدللہ! اپنے قائدین کے حکم کی روشنی میں اہل اسلام کے مکمل تعاون سے قادیانیت کے رد میں پوری دنیا میں مجلس کی تبلیغی جدوجہد مکمل طور پر جاری ہے اور انشاءاللہ جاری رہے گی' اس سلسلہ میں تمام مکاتب فکر کے مسلمانوں کا تعاون مجلس کو حاصل ہے جس کی ایک مثال حکومت کی طرف سے ووٹر لسٹ فارم سے عقیدۂ ختم نبوت حلفیہ بیان کے ختم کرنے کے فیصلہ کے خلاف تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں نے مجلس کی درخواست پر مکمل یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حکومت کو ۲۴ گھنٹے کے اندر اس فیصلہ کو واپس لینے پر مجبور کر دیا اور آج ووٹر لسٹ فارم کے حلف نامہ جو عقیدۂ ختم نبوت کے اظہار اور قادیانی گروہ کے غیر مسلم ہونے کا تحریری قانونی ثبوت ہے' حسب سابق حالت میں درج ہے۔

مجلس عاملہ کے اجلاس میں امریکی پادری کی محسن انسانیت خاتم الانبیاً صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی اور امریکی فلم ساز کمپنی کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کے حوالے سے فلم پر سخت احتجاج کرتے ہوئے پوری مسلم دنیا سے اپیل کی گئی کہ مسلمان حکومتیں ہر گستاخ رسول کے خلاف بھرپور انداز میں سفارتی سطح پر سخت ترین انداز میں احتجاج کریں۔ مجلس عاملہ کے اس اجلاس میں مزید لٹریچر کی اشاعت' تبلیغی پروگراموں کو مزید وسعت دینے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔

ختم نبوۃ

صدقہ کی فضیلت اور اس کے ثمرات

پروفیسر عفت گل اعزاز

حضرت سالم بن الجعدؒ نے فرمایا کہ ایک عورت اپنے بچے کے ساتھ جارہی تھی' راستے میں اچانک ایک بھیڑیا نکل آیا اور بچے کو پکڑ کر لے گیا' ماں بے قرار ہوکر اس کے پیچھے دوڑی' اتنے میں ایک فقیر نے اس کے آگے دست سوال دراز کیا' عورت کے پاس ایک روٹی تھی' اس نے وہ روٹی فقیر کو دے دی' ذرا دیر میں اس نے دیکھا کہ بھیڑیا اس کے پاس آیا اور بچے کو صحیح سالم وہاں چھوڑ کر چلا گیا' اس ایک روٹی کو صدقہ کرنے کی برکت سے اس کے بچے کی جان بچ گئی۔

حدیث مبارکہ ہے:

''ہر بھلائی صدقہ ہے' جو دوسروں کے ساتھ کی جائے' ہر نیک عمل بھلائی ہے جس کا پروردگار ثواب دیں گے۔''

قرآن پاک میں صدقہ دینے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ سورۂ ابراہیم میں فرمایا گیا ہے:

''وہ جو میرے خاص ایمان والے بندے ہیں' ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نماز کو قائم رکھیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے رہیں' پوشیدہ طور پر بھی اور اعلانیہ بھی' ایسے دن کے آنے سے پہلے کہ جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی' نہ دوستی ہوگی۔''

سورۂ حدید میں آیا ہے:

''بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اللہ کو قرض حسنہ دے رہے ہیں' ان کا ثواب بڑھایا جائے گا اور ان کے لئے بہتر اجر ہے۔''

سورۂ حدید میں ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے:

''تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس مال میں اس نے تم کو قائم مقام بنایا (جس مال کا حق دار بنایا) اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو' جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا' ان کے لئے بڑا اجر ہے۔''

اللہ کی راہ میں اپنے مال و دولت کو خرچ کرنے کا بڑا اجر ہے۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے:

''صدقات کو اگر تم ظاہر کرکے دو تب یہ اچھی بات ہے اور اگر تم چپکے سے فقیروں کو دے دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر بات ہے۔''

حضرت ابوذرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی فقیر کو چپکے سے کچھ دے دینا' لیکن اگر کوئی دینی مصلحت اعلان کرنے میں ہو تو اعلان کرنا بھی افضل ہے' بشرطیکہ اس میں نام ونمود اور ریاکاری نہ ہو بلکہ نیک نیتی ہو' ہوسکتا ہے کہ بعض صورتوں میں صدقہ کا اعلان دوسروں کو بھی صدقہ دینے کی ترغیب دینے کا سبب بن جائے۔

سورۂ بقرہ میں آتا ہے:

''حق تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔''

یہ بات ہم انسانوں کی نظر سے پوشیدہ ہے لیکن پروردگار کو سب قدرت ہے کہ وہ صدقہ کو بڑھاتے رہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ آدمی کسی کھجور کے چھوٹے سے ٹکڑے کو صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے اتنا زیادہ بڑھا دیا جاتا ہے کہ وہ احد پہاڑ کے برابر ہوجاتا ہے۔

صدقہ دیتے وقت یا اس کے بعد اس کا احسان جتانا معیوب ہے' جس کسی نے ایسا کیا تو سمجھیں کہ اس نے اپنی نیکی کو برباد کرڈالا۔ نہایت خوبصورت انداز میں پروردگار اپنے بندوں کو سمجھاتے ہیں:

''اے ایمان والو! تم احسان جتا کر

ختم نبوۃ

یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو جو شخص اپنا مال لوگوں کو دکھانے کی خاطر خرچ کرتا ہے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور روز قیامت پر اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک چکنا پتھر ہو اور اس پر کچھ مٹی آ گئی ہو پھر اس پتھر پر زور کی بارش پڑ جائے سو وہ اس کو بالکل صاف کر دے گی۔“ (سورۂ بقرہ)

یعنی اس طرح احسان کر کے جتانے والوں دوسروں کو ایذا دینے والوں اور ریاکاری سے خرچ کرنے والے کا دیا ہوا صدقہ صاف ہو جائے گا یعنی وہ صدقہ ضائع چلا جائے گا۔ صدقہ دینے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ صرف اللہ پاک کی خوشنودی کی خاطر اس کے ضرورت مند بندوں کی مدد کی جائے، کبھی اس نیکی کو جتایا نہ جائے کہ اس سے صدقہ وصول کرنے والے کی عزت نفس پر زد پڑتی ہے اور وہ شرمندہ ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص دنیا میں اپنی نیکی کا بدلہ چاہتا ہے کہ لوگ اسے نماز پڑھتا ہوا دیکھیں، تو دنیا میں ہی اس کی خواہش پوری کر دی جائے گی اور آخرت کے لئے کچھ نہ بچے گا اور جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اور اس سے آخرت میں اچھے اجر کے خواہش مند ہوتے ہیں اور اس کے لئے نیکی کرتے ہیں تو ان کو ضرور اچھا اجر دیا جائے گا کیونکہ رب دو جہاں صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص اس کے لئے ہی کیا جائے۔ اس لئے انسان کو اپنی اصلاح کرنی ضروری ہے اور وہ اپنی نیت کو نیک رکھے اور اس کے لئے خدا سے دعا کرتا رہے اور مخلصانہ کوشش کرتا رہے۔

جب کوئی صاحب خانہ گھر والوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس کی بیوی روٹی پکاتی ہے اور خادم وہ روٹی فقیر کو دے کر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ صاحب خانہ اس کی بیوی اور خادم تینوں کو اس صدقہ کی بدولت جنت میں داخل فرمائیں گے۔

نیک اور متقی لوگوں کو کھانا کھلانا نیکی کی اعانت کرنا ہے جبکہ فاسقوں کو کھانا کھلانا فسق و فجور کی اعانت کرنا ہے۔ اس لئے کوشش کی جائے کہ صدقہ کا مال نیک لوگوں پر خرچ کیا جائے۔ مدرسوں میں قرآن پڑھنے والے اور قرآن حفظ کرنے والے بچوں کو صدقہ دینے کی بڑی فضیلت ہے۔ صدقہ کا حق سب سے پہلے صدقہ کرنے والے کی ذات پر ہے، یعنی وہ اپنا مال اپنی ضرورت کے لئے خرچ کرے، پھر اس کے مال پر اس کے خاندان والوں کا حق ہے، یعنی گھر والوں کی کفالت کرنا، اولاد کی تعلیم و تربیت پر روپیہ خرچ کرنا، ان کی ضرورتوں کو پورا کرنا چاہئے، اس کے بعد عزیزوں اور رشتہ داروں کا حق ہے۔ رشتہ داروں کو صدقہ دینے کا دگنا ثواب ہے، صدقہ کا بھی اور قرابت داری کا بھی، یعنی دیگر غریبوں کو دینے سے زیادہ افضل یہ ہے کہ اپنے ضرورت مند رشتہ داروں کو صدقہ دیا جائے۔ وہ لڑکی جو لوٹائی گئی ہو یعنی جو بیوگی کی وجہ سے یا طلاق کی وجہ سے دوبارہ باپ یا بھائی کے گھر آ گئی ہو، اس پر خرچ کرنا بہترین صدقہ ہے۔ پڑوسیوں کے گھر کھانا بھیجنا بھی نہایت پسندیدہ بات ہے جس کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ کسی بھوکے کو کھانا کھلانا بڑے ثواب کی بات ہے۔ صدقہ کسی بھی ضرورت مند کو دیا جا سکتا ہے۔ بعض ضرورت مند لوگ اپنے خودداری کی وجہ سے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے، ہمیں ایسے لوگوں کی خود آگے بڑھ کر مدد کرنی چاہئے۔

ایک روایت کے مطابق ایک شخص نے دل میں سوچا کہ آج رات کو چپکے سے صدقہ کروں گا، رات کو اس نے جس شخص کو صدقہ دیا، صبح کو معلوم ہوا کہ وہ تو ایک چور تھا، اگلی رات وہ یہ صدقہ ایک عورت کو دے آیا جو نیک نہ تھی، بلکہ بدکار تھی، تیسری رات وہ صدقہ ایک امیر آدمی کو پکڑا آیا۔ اس شخص نے کہا: ”سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔“ رات کو اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کے تینوں صدقات قبول ہو گئے ہیں، اس لئے کہ شاید چور، اس صدقے کی وجہ سے چوری کرنا چھوڑ دے، عورت برے کام کو چھوڑ دے اور غنی کو صدقہ کرنے کی ترغیب ملے اور وہ بھی صدقہ دینے لگے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ کرنے میں جلدی کیا کرو، اس لئے کہ بلا صدقہ کو پھاند نہیں سکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک اس شخص سے ناراض ہوتے ہیں جو اپنی زندگی میں تو بخیل ہو اور مرتے وقت سخی ہو یعنی جو لوگ صدقہ دینے کے لئے اپنے مرنے کے وقت کا انتظار کرتے ہیں یعنی سوچتے ہیں کہ ابھی تو ہمیں خود روپیہ کی ضرورت ہے، جب مرنے کا وقت آئے گا تو مال و دولت صدقہ کر دیں گے، تو یہ پسندیدہ چیز نہیں۔ اول تو کسی بھی فرد کو اپنے مرنے کے وقت کا پتہ ہی نہیں ہوتا کہ موت کب آئے گی؟ دوسری بات یہ کہ مرتے وقت بعض دفعہ لوگوں کے ساتھ بڑے عبرت ناک واقعات پیش آتے ہیں کہ اچانک بیماری نے آ گھیرا کہ صدقہ کرنے کی مہلت ہی نہ ملی، کسی پر فالج گر گیا، زبان بند ہو گئی، یا تیمار دار بیچ میں آ گئے، ان سب کے باوجود اگر صدقہ کر بھی دیا تو اس کا ثواب اتنا نہ ہوگا جتنا کہ اس وقت صدقہ کرنے کا ثواب ملتا کہ جب وہ تندرست تھا اور اس نے اپنی خواہشات کو نظر انداز

کرکے صدقہ کیا ہوتا' گوکہ صدقہ نہ کرنے سے مرتے وقت صدقہ کرنا بھی بہتر ہے۔

صدقہ کی فضیلت:

صدقہ کرنا خدا کا حکم ہے اور اس کے حکم کے مطابق عمل کرنا خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب بنتا ہے۔ خدا صدقہ کرنے والے بندے سے راضی ہوتا ہے۔ صدقہ بلاؤں کو ٹال دیتا ہے' یعنی اگر کوئی بلا آنے والی ہوتی ہے تو وہ صدقے کی وجہ سے پیچھے رہ جاتی ہے۔

صدقہ برائی کے ستر دروازے بند کر دیتا ہے۔

صدقے سے بیماری دور ہوجاتی ہے یعنی بیماری کا علاج صدقہ ہے۔ (حدیث پاک)

صدقہ عمر بڑھاتا ہے۔

صدقہ دشمن کے مقابلے میں مدد کرتا ہے۔

صدقہ مرتے وقت شیطان کے وسوسے سے محفوظ رکھتا ہے اور مرض کی شدت کی وجہ سے ناشکری کے الفاظ منہ سے نکلنے سے حفاظت ہوتی ہے۔

صدقہ قبر کی گرمی کو زائل کرتا ہے۔

صدقہ کی وجہ سے قیامت کے دن آدمی صدقے کے سائے میں ہوگا' یعنی جو شخص جتنا زیادہ صدقہ کرے گا اس کے اوپر سایہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ مال کو کم نہیں کرتا۔ دو فرشتے روزانہ یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! خرچ کرنے والوں کو اس کا بدلہ عطا کر اور صدقہ روکنے والے کو بربادی عطا کر۔

جب کوئی شخص خلوص نیت کے ساتھ صدقہ کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے تو وہ مال فقیر کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے پاک ہاتھ میں جاتا ہے یعنی قبول ہوجاتا ہے۔

اگر کوئی گناہ ہوجائے تو صدقہ کرو کہ اس سے گناہ دُھل جاتا ہے۔

صدقہ اللہ پاک کے غصے کو کم کرتا ہے۔

صدقہ کس طرح کیا جائے:

ایک روایت کے مطابق انسان کے جسم میں ۳۶۰ جوڑ ہیں' انسان کو چاہئے کہ ہر روز وہ ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ کرے۔ راستے میں سے کوئی تکلیف دہ چیز مثلاً کانٹے' پتھر وغیرہ کا ہٹا دینا صدقہ ہے' دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانا یا انصاف کرنا بھی صدقہ ہے' کسی سوار کو سواری پر سوار ہونے میں مدد دینا بھی صدقہ ہے' کسی کو سامان اٹھا کر دینا بھی صدقہ ہے' دوسروں کو نیکی کی ترغیب دینا بھی صدقہ ہے اور اس کے مشورے کے مطابق کوئی شخص اگر صدقہ دیتا ہے تو اس نیک عمل کا مشورہ دینے والے کو بھی ثواب ملے گا۔ کسی کو قرآن پاک کی تعلیم دینا بھی صدقہ ہے' جب تک وہ شاگرد قرآن پاک پڑھے گا یا کسی اور کو قرآن پڑھائے گا تو قرآن پاک کی تعلیم دینے والے کو مرنے کے بعد بھی قرآن پاک پڑھنے والوں کی جانب سے ثواب ملتا رہے گا' کسی کو پانی پلانا یا کھانا کھلانا بھی صدقہ ہے' یہاں تک کہ اپنے مسلمان بھائی کو دیکھ کر مسکرا دینا بھی صدقہ ہے' سلام کرنا بھی صدقہ ہے۔

صدقہ جاریہ وہ صدقہ ہے جس کا ثواب انسان کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے' یہ پروردگار کا خاص فضل و کرم ہے۔ اس میں سات چیزیں شامل ہیں۔ مسجد بنوانے کا کام کہ اس کے مرنے کے بعد مسجد میں نماز ادا کی جائے گی تو اس بنوانے والے کو اس کا ثواب ملتا رہے گا' اسی طرح کنواں کھدوانے کا' درخت لگانے کا' نہر جاری کرنے کا' کسی کو علم سکھانے کا' وہ نیک اولاد جو مرحوم والدین کے لئے مغفرت کی دعا کرتی رہے اور قرآن پاک میراث میں چھوڑا ہو' کیونکہ یہ سب نیک کام ایسے ہیں جو انسان کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتے ہیں' اس لئے ان کا ثواب بھی ملتا رہے گا۔

صدقہ کرنے میں جلدی کرنی چاہئے' اس بات کا انتظار نہ کیا جائے کہ جب بڑی رقم پاس ہوگی جبھی صدقہ کریں گے بلکہ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی جتنی جلدی صدقہ کر دی جائے اتنا ہی اچھا ہے تاکہ اس کے فیوض و برکات بھی جلدی حاصل ہوں۔ آج کل لوگوں نے مانگنے کو پیشہ بنا لیا ہے۔ بعض اوقات مانگنے والے ایک ناگوار طریقے سے مانگتے ہیں' زبردستی کرتے ہیں' ڈھیٹ سے بن جاتے ہیں' کوشش کرنی چاہئے کہ کسی سوال کرنے والے کو جھڑکا نہ جائے' اگر آپ اسے کچھ دے نہیں رہے تو نرمی سے منع کر دیں یا معذرت طلب کریں' کیونکہ یہ بات بھولنی نہیں چاہئے کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے در سے بھی کوئی سوالی خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور فیاضی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

صدقہ میں کھانا' کپڑے' دوسری ضرورت کی اشیاء' نقد رقم' سب چیزیں دی جاسکتی ہیں' جن سے کسی کی ضرورت پوری ہوتی ہو۔ مسکینوں' یتیموں' مسافروں کو صدقہ دینا چاہئے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنا' مال کے ذریعے سے جہاد میں اپنا حصہ ادا کرنا ضروری ہے۔ جب اور جتنی گنجائش ہو' فراخ دلی سے دوسروں کی مدد کرنی چاہئے' پروردگار ہم سب کو زیادہ سے زیادہ صدقہ کرنے والا بنائے اور ہمارے صدقات کو قبول فرمائے۔ (آمین)

☆☆......☆☆

Adarts -HTS-12/97(R)

بکر وثیب

مرزا قادیانی کی ایک پیش گوئی

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی کو پرکھنے کے لئے کسی عملی بحث کی ضرورت نہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی صداقت جانچنے کے لئے علمی حقائق فلسفیانہ دلائل' منطقی الجھنوں اور صرفی ونحوی بحثوں سے ہمیں بے نیاز کر دیا ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

الف:......"تورات اور قرآن نے بڑا ثبوت نبوت کا صرف پیشگوئی کو قرار دیا ہے۔"

(رسالہ استفتاء ص۳ روحانی خزائن ص۱۱۱ ج۱۲)

ب:......"سو پیشگوئیاں کوئی معمولی بات نہیں' کوئی ایسی بات نہیں جو انسان کے اختیار میں ہو بلکہ محض اللہ جل شانہ کے اختیار میں ہیں۔ سو اگر کوئی طالب حق ہے تو ان پیشگوئیوں کے وقتوں کا انتظار کرے۔" (شہادۃ القرآن ص۶۵ روحانی خزائن ص۳۷۵'۳۷۶ ج۶)

ج:......"ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لئے ہماری پیشگوئی سے بڑھ کر اور کوئی محک امتحان نہیں ہو سکتا۔" (آئینہ کمالات اسلام ص۲۸۸ روحانی خزائن ص۲۸۸ ج۵)

د:......"ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیشگوئیاں ٹل جائیں۔"

(کشتی نوح ص۵ روحانی خزائن ص۵ ج۱۹)

ہ:......"کسی انسان کا اپنی پیشگوئی میں جھوٹا نکلنا خود تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے۔"

(تریاق القلوب ص۱۷ روحانی خزائن ص۳۸۲ ج۱۵)

مرزا جی کی ان تحریرات نے فیصلہ کر دیا کہ ان کے صدق وکذب کی شناخت کا سب سے بڑا معیار ان کی پیشگوئیاں ہیں' حالانکہ صرف پیشگوئیاں نبوت کا معیار نہیں ہو سکتیں۔ علماء اسلام کے اعتراضات سے مجبور ہو کر مرزا غلام احمد نے تسلیم کیا ہے کہ بسا اوقات بدمعاشوں' بدکاروں' کنجریوں اور کافروں کے الہام اور خواب صحیح نکلتے ہیں اور ان کی پیشگوئیاں سچی ثابت ہوتی ہیں۔

مولانا لال حسین اختر

مرزا قادیانی لکھتے ہیں:

الف:......"بعض فاسقوں اور غایت درجہ کے بدکاروں کو بھی سچی خوابیں آجاتی ہیں اور بعض پرلے درجہ کے بدمعاش اور شریر آدمی اپنے ایسے مکاشفات بیان کیا کرتے ہیں کہ آخر وہ سچے نکلتے ہیں...... بلکہ میں یہاں تک مانتا ہوں کہ تجربہ میں آچکا ہے کہ بعض اوقات ایک نہایت درجہ کی فاسقہ عورت جو کنجریوں کے گروہ میں سے ہے' جس کی تمام جوانی بدکاری میں ہی گزری ہے' کبھی سچی خواب دیکھ لیتی ہے اور زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ ایسی عورت کبھی ایسی رات میں بھی کہ جو وہ بادہ بہ سرو آشنا بہ بر کا مصداق ہوتی ہے کوئی خواب دیکھ لیتی ہے اور وہ سچی نکلتی ہے۔"

(توضیح مرام ص۸۳'۸۴ روحانی خزائن ص۹۴'۹۵ ج۳)

ب:......"ممکن ہے کہ ایک خواب سچی بھی ہو اور پھر بھی وہ شیطان کی طرف سے ہو اور ممکن ہے کہ ایک الہام سچا ہو اور پھر بھی وہ شیطان کی طرف سے ہو' کیونکہ اگرچہ شیطان بڑا جھوٹا ہے لیکن کبھی سچی بات بتلا کر دھوکہ دیتا ہے' تا ایمان چھین لے۔" (حقیقت الوحی ص۳ روحانی خزائن ص۳ ج۲۲)

ج:......"اور یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ بعض عورتیں جو قوم کی چوہڑی یعنی بھنگن تھیں' جن کا پیشہ مردار کھانا اور ارتکاب جرائم کام تھا' انہوں نے ہمارے روبرو بعض خوابیں بیان کیں اور وہ سچی نکلیں۔ اس سے بھی عجیب تر یہ کہ بعض زانیہ عورتیں اور قوم کی کنجر جن کا دن رات زنا کاری کام تھا' ان کو دیکھا گیا کہ بعض خوابیں انہوں

ختم نبوۃ

نے بیان کیں اور وہ پوری ہوگئیں اور بعض ایسے ہندوؤں کو بھی دیکھا کہ جو نجاست شرک سے ملوث اور اسلام کے سخت دشمن ہیں، بعض خوابیں ان کی جیسا کہ دیکھا تو ظہور میں آگئیں۔''

(حقیقۃ الوحی ص۳ روحانی خزائن ص۳ ج۲۲)

مرزا جی کی ان عبارات کے مطابق بدمعاشوں، بدکاروں، کنجریوں اور کافروں کی خوابیں، الہام اور پیشگوئیاں تو سچی نکلتی ہیں لیکن علیٰ وجہ البصیرت ہمارا دعویٰ ہے جس کی تردید قیامت تک امت مرزائیہ نہیں کرسکتی کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی کوئی متحدیانہ پیشگوئی سچی ثابت نہیں ہوئی۔ جتنی تحدی سے کوئی پیشگوئی کی گئی اتنی ہی صراحت سے وہ غلط نکلی۔ حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب اپنی ہر تصنیف میں اپنے نشانات، کرامات اور معجزات کے بے سرے راگ ہمیشہ الاپتے رہے اور یہاں تک لکھ دیا کہ:

''خدا تعالیٰ نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو ان کی نبوت بھی ان سے ثابت ہوسکتی ہے۔''

(چشمہ معرفت ص۳۱۷ روحانی خزائن ص۳۳۲ ج۲۳)

مرزا کی تمام تصنیفات پڑھ لی جائیں تو سوائے فٹ بال کی طرح گول مول اور انٹ شنٹ پیشگوئیوں کے کسی ''نشان'' کسی ''کرامت'' اور کسی ''معجزے'' کا پتہ نہیں چلتا۔ لطف یہ ہے کہ قادیانی پیشگوئیوں کے الفاظ بھی موم کی ناک کی طرح ہیں۔ جدھر چاہو الٹ پھیر کردو اور جب تک انہیں تاویلات باطلہ کے شکنجہ میں نہ جکڑ دیا جائے، وہ کسی موقع پر چسپاں نہیں ہوسکتے۔ ساتھ ہی دجل وفریب اور کذب وافترا بھی ہر پیشگوئی کا لازمی جزو ہے۔ ہم اس ذریت میں مشتے نمونہ از خروارے مرزا جی کی ایک عظیم الشان اور متحدیانہ پیشگوئی بکر وثیب کے چہرہ سے اس لئے نقاب اٹھاتے ہیں کہ علماً اہل سنت والجماعت آج تک اسے منظر عام پر نہیں لائے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے کہ:

''تخمیناً اٹھارہ برس کے قریب عرصہ گزرا ہے کہ مجھے کسی تقریب سے مولوی محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' کے مکان پر جانے کا اتفاق ہوا۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ آج کل کوئی الہام ہوا ہے؟ میں نے اس کو یہ الہام سنایا، جس کو میں کئی دفعہ اپنے مخلصوں کو سنا چکا تھا اور وہ یہ ہے کہ ''بکر وثیب'' جس کے یہ معنی ان کے آگے اور نیز ہر ایک کے آگے میں نے ظاہر کئے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ دو عورتیں میرے نکاح میں لائے گا، ایک بکر ہوگی اور دوسری بیوہ۔ چنانچہ یہ الہام جو بکر کے متعلق تھا، پورا ہوگیا اور اس وقت بفضلہ تعالیٰ چار پسر اس بیوی سے موجود ہیں اور بیوہ کے الہام کی انتظار ہے۔''

(تریاق القلوب ص۳۴ روحانی خزائن ص۲۰۱ ج۱۵)

بقول مرزا غلام احمد یہ الہام ۱۸۸۱ء کا ہے، جس میں مرزا جی کو بشارت دی گئی اور ان سے وعدہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ دو عورتیں تیرے نکاح میں لائے گا۔ ''ایک کنواری اور دوسری بیوہ'' بقول مرزا کنواری کا الہام پورا ہوگیا اور بیوہ کے نکاح کا انتظار ہے لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کا کسی بیوہ سے نکاح نہ ہوا اور وہ اس انتظار وحسرت کو اپنے ساتھ قبر میں لے گئے، کسی بیوہ کے ساتھ نکاح کی ناکامی نے قطعی فیصلہ کردیا کہ مرزا قادیانی کا بیوہ کے نکاح کا ''الہام'' شیخ چلی کی گپ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

مرزائی اس جھوٹی پیشگوئی کی الٹی سیدھی تاویل کرنے کے لئے کسی شرط کا بہانہ بھی نہیں کرسکتے۔ کیونکہ مرزا کا ''الہام'' اور اس کی تشریح صاف بتا رہی ہے کہ بیوہ کے نکاح کی پیشگوئی بلاشرط ہے، نہ ہی بیوہ کے نکاح کے الہام کو محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئی پر چسپاں کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ ۱۸۸۱ء کا ''الہام'' ہے۔ اس وقت مرزا غلام احمد اور محمدی بیگم صاحبہ کے نکاح کا قصہ ہی شروع نہ ہوا تھا۔ جیسا کہ خود مرزا نے لکھا ہے:

''اسی طرح شیخ محمد حسین بٹالوی کو حلفاً پوچھنا چاہئے کہ کیا یہ قصہ صحیح نہیں کہ یہ عاجز اس شادی سے پہلے، جو دہلی میں ہوئی، اتفاقاً اس کے مکان پر موجود تھا؟ اس نے سوال کیا کہ کوئی الہام مجھ کو سناؤ، میں نے ایک تازہ الہام جو انہیں دنوں میں ہوا تھا اور اس شادی اور اس کی دوسری جزو پر دلالت کرتا تھا، اس کو سنایا اور وہ یہ تھا کہ بکر وثیب یعنی مقدر یوں ہے کہ ایک بکر سے شادی ہوگی اور پھر بعدہ ایک بیوہ سے۔ میں اس الہام کو یاد رکھتا ہوں۔ مجھے امید نہیں کہ محمد حسین نے بھلا دیا ہو۔ مجھے اس کا وہ مکان یاد ہے کہ جہاں کرسی پر بیٹھ کر میں نے اس کو الہام سنایا تھا اور احمد بیگ (مرزا جی کی آسمانی منکوحہ محترمہ محمدی بیگم کا والد۔ ناقل) کے قصہ کا ابھی نام ونشان نہ تھا...... پس اگر وہ سمجھے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ خدا کا نشان تھا، جس کا ایک حصہ اس نے دیکھ لیا اور دوسرا حصہ جو ثیب یعنی بیوہ کے متعلق ہے دوسرے وقت میں دیکھ لے گا۔''

(ضمیمہ انجام آتھم ص۱۴ روحانی خزائن ص۲۹۸ ج۱۱)

مرزا غلام احمد ''نکاح بیوہ کے الہام'' اس لی امید اور حسرت سمیت ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء بروز منگل

ہیضہ کے مرض سے اگلے جہان کی طرف کوچ کرگئے۔ بیوہ کا ''الہام'' جھوٹ اور بھنگڑ خانے کی گپ ثابت ہوا تو امت مرزائیہ نے ثیب (نکاح بیوہ) کے ''الہام'' کو تاویلات نہیں بلکہ دجل وفریب کے شکنجہ میں جکڑ کر اس کی صورت کو مسخ کردیا۔ نظارت تالیف وتصنیف قادیان نے (جس کے ناظر مرزا صاحب آنجہانی کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم اے ہیں) تذکرہ میں ''تریاق القلوب'' سے یہ پیشگوئی (جو ہم کتاب مذکورہ کے ص۳۴ سے نقل کرچکے ہیں) درج کرکے حاشیہ میں لکھا ہے:

''یہ الہام الٰہی اپنے دونوں پہلوؤں سے حضرت ام المومنین (یعنی مرزا قادیانی کی بیوی) کی ذات میں ہی پورا ہوا ہے' جو بکر یعنی کنواری آئیں اور ثیب یعنی بیوہ رہ گئیں' خاکسار مرتب۔''

(تذکرہ ص۳۸ حاشیہ طبع۳)

قارئین کرام! پھر ایک دفعہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ''الہام'' اور اس کی تشریح وتوضیح کو پڑھ لیجئے اور ساتھ ہی ''تذکرہ'' کے مرتب کی دجل آمیز عبارت پر غور کیجئے کہ کس قدر دھوکا اور فریب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ واللہ! میں تو مرزائی مبلغین کی ایسی مکرو چالبازیاں دیکھنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان کے قلوب میں نہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور نہ ہی انہیں لوگوں سے شرم وحیا آتی ہے۔

مرزا جی تو لکھتے ہیں:

''خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ دو عورتیں میرے نکاح میں لائے گا' ایک کنواری ہوگی اور دوسری بیوہ۔''

مرزا جی کی اس تصریح کے خلاف مرزا کے چیلے لکھتے ہیں کہ ایک ہی نکاح سے ''الہام'' پورا ہوگیا۔ یعنی نصرت جہاں بیگم صاحبہ (مرزا محمود احمد کی والدہ) کا کنواری ہونے کی حالت میں مرزا غلام احمد سے نکاح ہوا اور مرزا کی وفات کے بعد نصرت جہاں بیگم صاحبہ بیوہ رہ گئیں۔

مرزائیو! ''تریاق القلوب'' صفحہ ۳۴ اور ''ضمیمہ انجام آتھم'' صفحہ ۱۴ کی ہماری درج کردہ اپنے ''مسیح موعود'' کی عبارت پڑھو تو تم پر روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے گا کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی یہ نہیں لکھتے کہ میرے نکاح میں آنے والی کنواری بیوی بیوہ رہ جائے گی بلکہ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ دو عورتیں میرے نکاح میں لائے گا' ایک کنواری ہوگی اور دوسری بیوہ۔'' پس تم بتاؤ کہ کس بیوہ عورت سے مرزا جی کا نکاح ہوا؟ جب کسی بیوہ سے مرزا غلام احمد کا نکاح نہیں ہوا' اور یقیناً نہیں ہوا' تو تمہیں مرزا کو کاذب اور مفتری علی اللہ ماننے میں کون سا امر مانع ہے؟

کسی بیوہ عورت سے نکاح نہ ہونے کے باعث مرزا کا ثیب (نکاح بیوہ) کا ''الہام'' صریح جھوٹ اور کھلا ہوا افتراء ہوا۔ پس مرزا جی کاذب ثابت ہوئے کیونکہ:

''خدا تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ: ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب "سوچ کر دیکھو کہ اس کے یہی معنی ہیں؟ جو شخص اپنے دعویٰ میں کاذب ہو' اس کی پیشگوئی ہرگز پوری نہیں ہوتی۔''

(آئینہ کمالات اسلام ص ۳۲۲'۳۲۳ روحانی خزائن ص۳۲۲'۳۲۳ ج۵)

مرزا جی نے خود تحریر کیا ہے:

''ظاہر ہے کہ جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہوجائے تو پھر دوسری باتوں میں بھی اس پر اعتبار نہیں رہتا۔''

(چشمہ معرفت ص۲۲۲' روحانی خزائن ص۲۳۱ ج۲۳)

☆☆............☆☆

بقیہ: والدین کے حقوق

میں' میں نے تمہاری شفقت' محبت اور توجہ کو بخوبی محسوس کیا' بالآخر وہ وقت آیا کہ جب میں دلہن بنی اور ایک نئی دنیا بسانے کے لائق ہوئی' ایسی دنیا جو اس کے ماں باپ اور اس کے اپنے خاندان سے نرالی دنیا تھی' میں جب اپنے اور اپنے بھائیوں پر تمہاری نوازش اور عنایتیں دیکھا کرتی تو دم بخود رہ جاتی' میں حیران تھی کہ آخر یہ کون سی ذات ہے؟ اس کے اندر کون سا انسان چھپا ہوا ہے؟ جو اپنی زندگی ہم پر اس طرح نچھاور کررہی ہے' ہمارے سکھ چین اور راحت کے لئے اپنے چین کو قربان کئے ہیں' یہ کون ہے جسے میں ماں کے شیریں نام سے پکارتی ہوں؟ یہ کس خاک کی پتلی ہے؟ کون سی کان سے نکلی ہے؟ یہ کیسا دل ہے جو صرف محبت اور پریم کی بولی جانتا ہے؟ اور اپنے بچوں کی اس چھوٹی موٹی دنیا کو اسی محبت کے بول سے آباد کئے ہے لیکن میری اچھی ماں' میری نومولود بچی کی پہلی چیخ نے مجھ پر اس راز کو آشکارا کردیا' مجھے سب کچھ سکھادیا' جس وقت وہ میرے آغوش میں آئی' اس کی مہکتی ہوئی گرم گرم سانسوں سے میں نے سب کچھ پالیا' مجھے ہر ایک سوال کا جواب مل گیا جس نے مدت سے مجھے حیران کررکھا تھا۔''

ماں باپ کا ادب کرنا' ان کی خدمت کرنا' ان سے حسن سلوک کرنا ہمارے اوپر لازم ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں والدین کی خدمت کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین۔

عقیدت کے پھول

آپ پر لاکھوں سلام

مولانا محمد ثانی حسنی

اے حبیب کردگار
رحمت پروردگار
صاحب عزو وقار
دو جہاں کے تاجدار
آپ پر لاکھوں سلام
رات دن اور صبح و شام

آپ امام الانبیاً
صدر بزم اتقیاً
سرور اہل صفاً
شافع روز جزاً
آپ پر لاکھوں سلام
رات دن اور صبح و شام

آپ ہیں عالی مقام
آپ اماموں کے امام
آپ ہیں خیرالانام
آپ کا میں ہوں غلام
آپ پر لاکھوں سلام
رات دن اور صبح و شام

آپ سرتاج بشر
آپ شاہ بحرو بر
آپ ہیں رشک قمر
آپ ہیں انجم نگر
آپ پر لاکھوں سلام
رات دن اور صبح و شام

آپ کے زیر قدم
فارس در دم و عجم
آج بھی ہیں سر بخم
قیصر و دارا جم
آپ پر لاکھوں سلام
رات دن اور صبح و شام

آپ صدر بزم دیں
سرور اہل یقیں
سرکردہ مرسلین
زینت خلد بریں
آپ پر لاکھوں سلام
رات دن اور صبح و شام

آپ پاکیزہ صفات
پاکباز و عالی ذات
آپ رمز کائنات
جان من جان حیات
آپ پر لاکھوں سلام
رات دن اور صبح و شام

آپ آنکھوں کا سرور
آپ سرتاپا ہیں نور
آپ ہیں میرے حضور
میں سراپا ہوں قصور
آپ پر لاکھوں سلام
رات دن اور صبح و شام

آپ ہیں گل پیرہن
خندہ رو نسریں بدن
یاسمین رشک سمن
روحِ گلُ جانِ چمن
آپ پر لاکھوں سلام
رات دن اور صبح و شام

آپ جیسا حسیں
کوئی دنیا میں نہیں
آپ کی پیاری جبیں
مطلع نور مبیں
آپ پر لاکھوں سلام
رات دن اور صبح و شام

آپ جانِ آرزو
آپ سب کی جستجو
دو جہاں کی آبرو
مہ جبیں و ماہرو
آپ پر لاکھوں سلام
رات دن اور صبح و شام

آپ کے دم سے نمود
آپ کے دم سے وجود
آپ کے دم سے شہود
آپ کے دم سے کشود
آپ پر لاکھوں سلام
رات دن اور صبح و شام

REGD. NO. SS-160

کیا آپ نے کبھی غور کیا؟

قادیانی

ہمارے نوجوانوں کو ورغلا
کر مُرتد بنا رہے ہیں
اس مقصد کے لئے
وہ کروڑوں روپے پانی کی طرح بہا رہے ہیں

جب آپ حق پر ہیں تو

آپ نے ناموسِ رسالت مآب ﷺ اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے کیا انتظام کیا؟
کیا یہ آپ کی ذمہ داری نہیں کہ قادیانیوں کی خطرناک سرگرمیوں کے بارے میں معلومات حاصل کریں؟
اگر ہے تو آج ہی ملّت اسلامیہ کے بین الاقوامی ہفت روزہ

ہفت روزہ ختم نبوۃ

کا مطالعہ کیجئے

خوبصورت ٹائیٹل
کمپیوٹر کتابت
عمدہ طباعت

ہر جمعہ کو پابندی
سے شائع ہوتا ہے

ختم نبوۃ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے اور مجلس کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچاتا ہے، جس میں سیرت رسول آخر ﷺ، سیرت اصحابہؓ، دینی و اصلاحی مضامین شائع کئے جاتے ہیں مرزائیت کا بھی جدید انداز میں تجزیہ کیا جاتا ہے

الحمد للہ

یہ ہفت روزہ امریکہ، برطانیہ، اسپین ماریشس، جنوبی افریقہ، سعودی عرب، نائجیریا، قطر، بنگلہ دیش، آسٹریلیا اور دنیا کے کئی دیگر ملکوں میں جاتا ہے۔

تعاون کا ہاتھ بڑھایئے

خریدار بنیئے — بنائیے
اشتہارات دیجئے
مالی امداد فراہم کیجئے

اِنشاءاللہ اِس میں دُنیا و آخرت کا فائدہ ہے